پر ۱۳۵۴ء میں تغلق خاندان کا تیسرا بادشاہ گذرا ہے۔ اور یہ قطب کے شمال کی جانب قریب آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور پرانی دہلی کے جنوب مشرق کی طرف ہے۔ اِس کے اندر اور باہر کی عمارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فیروز آباد کافی لمبا چوڑا تھا۔ اُسوقت کی عمارات یہ ہیں اُس کا پلس، کلاں مسجد خاص عمارتیں ہیں۔ جو پُرانے شہر کی دیواروں کے اندر ہیں۔ یہ بھی خاص طور سے دیکھنے کے لائق ہیں۔ اور اب یہ کوٹلہ فیروز آباد کہلاتا ہے۔

چھٹی دہلی

دہلی کا چھٹا شہر یعنی پُرانا قلعہ۔ یہ چھٹا شہر شہنشاہ ہمایوں اور شیر شاہ نے بنوایا تھا۔ ہمایوں نے ۱۵۳۳ء میں بنوایا اور شیر شاہ نے ۱۵۴۵ء تک اِسمیں اضافہ کیا۔ یہ دہلی کی جانب جنوب شہر سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

ساتویں دہلی

شاہجہاں آباد یعنی دہلی کا ساتواں شہر جس میں کہ شاندار قلعہ اور جامع مسجد قابلِ دید ہیں۔ یہ شہنشاہ شاہجہاں کا بنوایا ہوا ہے جس نے ۱۶۲۸ء سے لیکر ۱۶۵۸ء تک حکومت کی۔ یہ شہنشاہ تعمیر کے کام میں اُستاد تھا۔ اِس کے ساتویں شہر میں اب بھی بہت ہی

تیسری دہلی

دہلی کا تیسرا شہر یعنی تغلق آباد۔ یہ تیسرا شہر غیاث الدین تغلق نے سنہ ۱۳۲۱ء میں بنایا۔ جو کہ قطب کے مشرق میں ۴ میل کے قریب بنا۔ آج اس کے بانی کا مقبرہ اور تغلق آباد کی عمارتیں یونہی برباد پڑی ہوئی ہیں

چوتھی دہلی

دہلی کا چوتھا شہر یعنی جہاں پناہ یا چراغ دہلی جو قطب اور سری کے درمیان میں ہے۔ یہ دہلی کا چوتھا شہر تھا۔ جسکو محمد شاہ نے جو کہ تغلق خاندان کا دوسرا بادشاہ سنہ ۱۳[illegible]ء میں گذرا ہے۔ اسنے بنایا تھا۔ اس کا مطلب اس کو یہاں قائم کرنے کا یہ تھا کہ وہ دونوں دیواروں کو پانچ میل کے محیط میں ملا دے۔ تاکہ آبادی کے رہنے والوں کی پوری حفاظت ہو جائے۔

اس کے ۱۳ دروازے تھے۔ ۶ شمال کی طرف اور ۷ جنوب کی طرف تھے۔ اور وجہیا منڈل۔ بیگم پور مسجد۔ روشن چراغ اس کی خاص عمارتیں ہیں۔

پانچویں دہلی

دہلی کا پانچواں شہر یعنی فیروز آباد فیروز شاہ کا بنایا ہوا ہے

مختلف زمانہ کے قایم کئے ہوئے دھلی کے پرانے شہر جو کہ برباد ہوئے ان کا نام اب بھی قایم ہے۔

ساتواں شہر پرانا دہلی کہلاتا ہے۔ اور آٹھواں نئی دہلی کے نام سے مشہور ہے۔ اب ان آٹھوں شہروں کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی دھلی

دھلی کا پہلا شہر یعنی قطب یہ بارہویں صدی کا پہلا شہر ہے۔ جبکہ مہاراجہ پرتھوی راج ہندوؤں کے آخری بادشاہ بھارت میں حکومت کرتے تھے ۱۱۹۲ء میں محمد گوری نے پرتھوی راج کو شکست دی اور گوری کے نائب قطب الدین نے شہر کو پھر سے بنوانا شروع کیا اور قطب بنوایا۔ پرانی دہلی کی یادگار قطب مینار اور قطب کی مسجد ہے

دوسری دھلی

دھلی کا دوسرا شہر یعنی سری یہ دوسرا شہر تھا جسکو سلطان علاؤالدین خلجی نے ۱۳۰۳ء میں بنوایا۔ اور شمال مشرق کی طرف پرانی دہلی سے تیرہ میل کے قریب لوجہ آبادی کی زیادتی کے اور بڑھایا گیا۔ پرانے زمانے میں سری کا شہر گولائی میں تھا۔ جسمیں اونچی عمارتیں تھیں۔ جن کی چوبیدی پتھر اور اینٹوں کی تھی۔ مگر اب وہ بالکل برباد ہوا پڑا ہے۔

آٹھویں دہلی

شہر دہلی درحقیقت قابل دید جگہ ہے۔ جو کہ گیارہویں صدی سے قریباً ۷ مرتبہ بنی۔ اور ہر مرتبہ نئی وضع اور نئے طریقے اور نئی جگہ پر آباد ہوئی۔ پہلے یہاں ہندوؤں کی حکومت ہوتی رہی اُن کے وقت کی دہلی اندر پرست تھی اور یہ ہندوؤں کے وقت میں دہلی کا شہر تھا۔

یہ پُرانا قلعہ یدھشٹر کے وقت کا قائم کیا ہوا ہے۔ جو کہ پانڈو کہلاتے تھے۔ جن کی بابت مہابھارت میں بھی ذکر ہے چنانچہ اب وہاں اُس وقت کا کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا۔ تاہم اندرپرست میں اس کا نام ہے جو کہ اب پُرانا قلعہ کہلاتا ہے۔ اور جب کہ شہنشاہ ہمایوں نے پھر سے بنوایا۔ اور شیر شاہ نے پھر اس کے اندر عمارات بنوائیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلے ہندوؤں کی حکومت تھی۔ اس کے بعد مسلمانوں کی حکومت ہوئی۔

لہٰذا اس کو چھ مرتبہ مسلمانوں نے بنوایا اور اب آٹھویں مرتبہ انگریزوں نے بنوایا۔ یہ ہر مرتبہ نئے نام سے قائم ہوئی۔ مگر

مزار سلطان رضیہ بیگم

محلہ بلبلی خانہ میں ایک احاطہ کھنچا ہوا ہے جس کو لوگ رجی سجی کی درگاہ کہتے ہیں۔ اس احاطہ میں دو قبریں ہیں۔ ایک رضیہ سلطان بیگم کی اور ایک سجیہ بیگم کی ہے۔ رضیہ سلطان بیگم اپنے وقت میں ہندوستان کی بادشاہ گذری ہیں۔ اور ہندوستان کے تختِ سلطنت کو انکی ذات سے رونق و شرف حاصل ہوا تھا۔ بادشاہ شمس الدین التمش جن کی بنوائی ہوئی قطب صاحب کی لاٹ مشہور ہے رضیہ سلطان بیگم ان کی صاحبزادی تھیں۔ جبکہ سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ہوا تھا تو اس کے بعد سلطان رکن الدین فیروز شاہ بن سلطان شمس الدین تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد رضیہ بیگم ۶۳۴ھ میں تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہوئیں۔ مگر ۶۳۷ھ میں سلطان معزالدین نے ان کو پکڑ کر قلعہ میں قید کیا جس کے چند روز بعد انکی وفات ہوئی۔ انکا مزار بہت معمولی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں رونق ہو لیکن اب خراب حالت میں ہے۔ چونکہ یہ ہندوستان کی بادشاہ گذری ہیں اور بڑی شان سے انہوں نے حکومت کی تھی۔ اسوجہ سے ان کا ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ کتاب چراغ دہلی میں لکھا ہے کہ یہ فیروز آباد میں مدفون ہیں لیکن آثار الصنادید میں بھی ان کی قبر کو بلبلی خانہ میں ہی لکھا ہے۔

شاہ عالم کو ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ مگر تین سال کے بعد وہ مر گیا۔ اور وزیر آباد میں دفن کیا گیا۔

کلاں مسجد

ترکمان دروازہ کے قریب محلّہ بُلبُل خانہ کے پاس پٹھانوں کے وقت کی ایک پُرانی مسجد ہے۔ جس کو کالی مسجد کہتے ہیں۔ اصل میں شائد اس کا نام کلاں مسجد ہے۔ اسکی کرسی بہت بلند ہے۔ ۳۲ سیڑھیاں چڑھکر اس کے صحن میں جاتے ہیں۔

یہ مسجد فیروز شاہ کے عہد سلطنت ۷۸۹ھ مطابق ۱۳۸۷ء میں بنی تھی۔ مسجد کے دروازہ کی پیشانی پر کتبہ تھا لکھا ہُوا ہے۔ آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ یہ مسجد فیروز شاہ کے وزیر جونان شاہ المخاطب بجہان جہان ابن خان جہاں نے بنوائی تھی۔ مسجد کے صحن میں کئی قبریں منجملہ ان کے ایک قبر جونانشاہ بجہان جہاں بانئ مسجد اور دوسری خان جہاں کے باپ کی ہے۔ مسجد کو دیکھنے سے پٹھانوں کے وقت کی عمارت کی قطعہ بخوبی معلوم ہوتی ہے۔ مسجد میں پتھر کے کھمبوں کی قطاریں ہیں یہ ۱۵ مربع ٹکڑوں میں تقسیم ہے۔ اسکی چھت کے ہر حصّہ پر گنبد بنا ہُوا ہے۔ اور بیچ کا گنبد بڑا بھاری اور اونچا بنا ہُوا ہے۔

لگائی تھی۔ یہاں پر جو لوگ لڑائی کے سلسلے میں مارے گئے، اُن کے ناموں کی ایک تختی سنگِ مرمر کی لگی ہوئی ہے۔ اور یہاں سے دہلی کے چاروں طرف کا شاندار منظر دکھائی دیتا ہے۔

مٹکاف ہاؤس

یہ عمارت علی پور روڈ پر ہے جس میں کہ ٹی ٹی مٹکاف صاحب۔ آئی۔ سی۔ ایس رہتے تھے ۱۸۵۷ء کے غدر کے سلسلہ میں یہ عمارت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ باغیوں نے اِس کو چھین لیا تھا۔ اور انگریزوں کے خلاف اِس پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ یہانتک کہ وہ یہاں سے بے دخل کئے گئے جبکہ وہ مضبوطی کے ساتھ محاصرہ کر رہے تھے۔

شاہ عالم کا مقبرہ

یہ مقبرہ شاہ عالم کے انتقال کے بعد تعمیر ہوا تھا۔ جو کہ کشمیری گیٹ سے ۲½ میل کے فاصلہ پر وزیر آباد میں واقع ہے۔ ۱۷۵۹ء میں اِس کا باپ عالمگیر سیکنڈ قتل کیا گیا تھا۔ اس طور سے شاہ عالم چھپتا پھرتا تھا۔ مگر ۱۷۷۱ء میں یہ پھر دہلی میں آیا اور احمد شاہ ابدالی کی بدولت تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ مگر ۱۷ سال کے بعد روہیلوں نے شاہ عالم پر حملہ کیا۔ اور غلام قادر نے یہ کچھ نہ دریافت کیا۔ لیکن وہ نہ بتا سکا لہٰذا غلام قادر نے شاہ عالم کو اندھا کر دیا۔ پس اُس اندھے بادشاہ

اس کی چوٹی ۹۰ فٹ اونچی ہے۔ اور یہ دہلی شاہجہان آباد کے شہر کی چار
دیواری سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس برج کی تاریخ کو
بڑی فضیلت ہے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانہ میں انگریزوں نے یہاں سے
حملہ کیا تھا اور یہاں پر بادشاہ فیروز شاہ نے گرمی کے موسم میں آرام کرنے
کیلئے یہ چودھویں صدی میں ایک محل بنوایا تھا۔ انکا کیپیٹل فیروز آباد
تھا۔ یہاں پر ایک اشوک کا پلر بھی ہے جسکو فیروز شاہ نے میرٹھ کے
قریب سے منگوایا تھا۔ اور اس کو اپنے محل میں لگوایا تھا۔ مگر بدقسمتی سے
کچھ ایسا دھڑکا ہوا کہ اٹھارہویں صدی میں یہ ٹوٹ گیا۔ اس برج کو جاتے
ہوئے کئی ایک اور بھی تواریخی عمارات راستے میں پڑتی ہیں۔

پرانی سکریٹریٹ

یہ علی پور روڈ پر واقع ہے۔ یہ عمارت بھی قابل دید ہے۔ اب اس
کی بجائے نئی دہلی میں نہایت شاندار عمارت تیار ہوگئی ہے۔ جو کہ
قابل دید ہے۔ اور اس عمارت میں اب دوسرے دفاتر نیز اسٹیٹ اسمبلی
کے دفاتر بھی اسی میں ہیں۔

میوٹنی میموریل

یہ ۱۸۵۷ء کی لڑائی کی یادگار ہے۔ جو کہ برج کے داہنی
طرف واقع ہے۔ جہاں کہ محاصرہ کرنے والوں نے ایک بڑی وزنی توپ

اُسکی عمر قریب ۱۴ ۲ ۳ سال تھی۔

قدسیہ باغ کشمیری دروازہ کے جانب شمال تقریباً ۴ فرلانگ کے فاصلہ پر ایک پُرانا خوشنما باغ ہے جسکو ۱۷۴۸ء میں قدسیہ بیگم صاحبہ جو کہ محمد شاہ بادشاہ کی بیگم تھیں۔ اور القتدار احمد شاہ کی والدہ تھیں۔ اُنکا لگایا ہُوا ہے۔ جن کے وقت سے سلطنت شہنشاہ مغلیہ کی ابتری شروع ہوئی تھی۔

روشن آرا باغ یہ خوبصورت باغ روشن آرا بیگم کا لگایا ہُوا ہے۔ جو کہ قلعہ شاہجہاں آباد سے دو میل کے فاصلہ پر مغربی سمت کو رج سے ۴ فرلانگ آگے ہے۔ یہ شہنشاہ شاہجہاں کی دوسری صاحبزادی اور شہنشاہ اورنگ زیب کی رفیق بہن تھیں۔ ان کو علم سیاست میں بڑی دلچسپی تھی۔ اور اسی وجہ سے شہنشاہ اورنگ زیب کو تخت سلطنت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ اور جب شہنشاہ اورنگ زیب کی سلطنت تھی تو اُس کے دوران حکومت میں ان کو محل سرائے کا مختار مقرر کر دیا تھا۔ لیکن ۱۶۶۴ء میں جبکہ شہنشاہ اورنگ زیب بیمار تھا۔ اُسنے اپنی خودغرضی کیوجہ سے کچھ سازش کی تھی مگر جب اس کو صحت ہوگئی تو وہ غائب ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اسکو زہر سے ہلاک کیا گیا۔ اور روشن آرا بیگم کا خوشنما مقبرہ اسی باغ میں ہے۔

رج

یہ دھلی کا مشہور رج ہے۔ جو کہ اراولی پہاڑ کا ایک حصہ ہے

کی دونوں فوجوں میں قائم رکھا گیا۔

گرجا کے جانب غرب میں صاحب کمشنر ولیم فریزر کی بھی قبر ہے اور اس گرجا کی پشت پر عدالت دیوانی و فوجداری کی عمارات بنی ہوئی ہیں۔

نکلسن پارک

کشمیری گیٹ کے باہر ایک چھوٹا سا خوشنما پارک ہے جسمیں جنرل نکلسن کا اسٹیچو بنا ہوا ہے۔ یہ ایک مشہور سردار تھا۔ اسنے یہاں ستمبر ۱۸۵۷ء کے غدر میں کشمیری گیٹ پر کامیاب حملہ کیا تھا۔ اور موری گیٹ اور کابلی گیٹ کی اپنی مخالف فوج کو بھگا دیا تھا۔ موری گیٹ سے جو راستہ بذریعہ دیوار شہر میں جاتا ہے۔ جس کے بائیں جانب مکانات کی ایک قطار چلی گئی ہے۔ ایک اونچے مکان کی چھت پر سے ایک ایسی گولی آئی جسنے جنرل نکلسن کو زخمی کر دیا۔ اور ایک تختی جہاں کہ وہ زخمی ہو کر گرا تھا نشانی کے لئے اب وہاں پر لگی ہوئی ہے۔ اسوقت جبکہ وہ زخمی پڑا ہوا تھا اسکو وہاں سے اٹھا کر ایک درخت کے سائے میں لٹا دیا گیا اس نے کہا تھا کہ میں یہاں اسوقت تک ٹھہرونگا۔ جبتک کہ دہلی فتح نہ ہو جائے۔ اس کے دوسرے دن لفٹیننٹ لارڈ رابرٹ نے دیکھا کہ کشمیری دروازہ کے قریب تمام ویران پڑا ہوا ہے۔ لہذا اسنے وہاں سے ڈیرہ اٹھا لیا۔ اور اس کے خیمہ میں لیگیا جبکہ اسکی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ لارڈ رابرٹ اسکو وہاں سے لیجانے کا باعث ہوا تھا تاکہ وہ دو دن زندہ رہنے کے بعد مر گیا۔ جبکہ

تھی۔ اس کے کمروں وغیرہ کی دیواروں پر نفیس گلکاری کی ہوئی تھی۔ اور زمین پر خوبصورت فوارے لگے ہوئے تھے۔ اور خوشنما حوض بنے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ شاہجہاں نے جبکہ اپنی دلعزیز دختر کی صنعت و کاریگری کو ملاحظہ کیا تو بیحد خوش ہوئے۔ اور سعد اللہ خاں جو کہ انکے ہمراہ تھے انہوں نے اسقدر پسند کیا کہ بہشت کے مقابلہ کا بتلایا۔ اسمیں شہنشاہ کے باوقار نامور مہمات اور ایران کے ممتاز تجار قیام کرتے تھے۔

سینٹ جیمس چرچ

یہ مشہور گرجا گھر کشمیری دروازہ کے قریب جہاں کہ سوداگروں کی ولایتی سامان وغیرہ کی شاندار دوکانات ہیں۔ ان کے بیچ میں لب سڑک واقع ہے۔ اسکو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کرنل جیمس اسکیر نے نوے لاکھ کی لاگت سے تیار کرایا تھا۔

غدر کے بعد میدان جنگ میں جبکہ وہ زخمی ہو کر نازک حالت میں پڑا ہوا تھا اسنے منت کی کہ اگر میں زندہ رہتا تو گرجا بنواتا۔ لہذا یہ گرجا اس کی منت کے مطابق اسکا عہد پورا کرنے کیلئے بنوایا۔ اس کو بنوانے والے نے گرجا کے علاوہ ایک مسجد مسلمانوں کیلیئے اور ایک مندر ہندوؤں کیلئے بھی بنوایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کسی مذہب سے تعصب نہ تھا۔ اسکی قبر گرجا گھر کی جانب شمال واقع ہے۔ جہاں کہ اس کے اور بھی کئی عزیزوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اس کا نام بوجہ اس کے کارنمایاں کے ہندوستان کی توج

ہوئے تھے۔ دالان میں دونوں طرف صحنچیاں ہیں جن میں مورتیاں رکھی ہیں پارس ناتھ کی جو مورتی رکھی ہے اسکی تیاری میں سوا لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اسمیں پہلے پوجا ۱۸۶۴ء میں سراوگیوں نے اپنے مذہب کے مطابق کی تھی۔ یہ بدی دوج کو یہاں سے رتھ اٹھکر پہاڑی دھیرج جاتے ہیں رتھ میں پارس ناتھ کی مورتی رکھی جاتی ہے۔ اور ہزاروں آدمی ہمراہ ہوتے ہیں

ملکہ کا باغ

یہ عالیشان باغ چاندنی چوک کی پس پشت فوارہ سے لیکر گھنٹہ گھر تک ہے اور اس کے مقابل دوسری جانب دہلی کا ریلوے اسٹیشن ہے اس باغ میں ہارڈنگ لائبریری کی عمارت واقع ہے۔ اور گھنٹہ گھر کے سامنے ٹاؤن ہال یعنی میونسپل کمیٹی کا شاندار دفتر ہے۔ ریلوے اسٹیشن اور ٹاؤن ہال کے درمیان والے حصہ میں ابھی حال ہی میں مہاتما گاندھی کا اسٹیچو کافی اونچی بلیٹ فارم پر نصب کیا گیا ہے۔ جس کے چاروں طرف فواروں کی چار لمبی قطاریں ہیں۔ اور عوام کی تفریح کیلئے شہر کے وسط میں ایک خوشنما مقام ہے۔ شام کیوقت یہاں بڑی رونق رہتی ہے

اصل میں یہ باغ اس جگہ پر واقع ہے جہاں کہ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں شہنشاہ شاہجہاں کی ہر دلعزیز حسین دختر جہاں آرا بیگم نے نہایت شاندار سرائے تعمیر کرائی تھی۔ یہ شاہجہاں کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ سرائے ہندوستان بھر میں اپنی وضع کی خوشنما اور عالیشان

اِن ۱۶۵۰ء میں فتح النساء بیگم زوجہ شاہجہاں نے تعمیر کرایا۔

گوردوارہ سیس گنج

یہ گوردوارہ چاندنی چوک میں فوارہ کے قریب کوتوالی کی بغل میں خوشنما وضع کا بنا ہُوا ہے جسمیں پتھر کی جالیاں لگی ہیں اور بیل بُوٹے بھی بنے ہُوئے ہیں۔ یہ سکھ بھائیوں کے پوجا کی جگہ ہے۔ یہ گوردوارہ تیغ بہادر کے نام سے مشہور ہے۔ اور اِنکا مقبرہ والیسرائے ہاؤس کے قریب بنا ہُوا ہے

گوری شنکر کا مندر

یہ مندر چاندنی چوک کی جانب مشرق جین مندر کے پہلو میں واقع ہے یہاں روزانہ سینکڑوں آدمی پُوجا کیلئے آتے ہیں۔ اور یہ ہندوؤں کی پُوجا پاٹھ کی خاص جگہ ہے۔ اِسمیں گوری اور پاربتی کی عمارت نہایت خوبصورت ہے۔ اور شیوا جی اور پاربتی کی مورتوں پر جو شامیانہ ہے، نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ اِس مندر میں، لکشمی نرائن جی، کرشن جی، رادھا اور جمنا کی بھی مُورتیاں ہیں۔ یہ مندر بہت پُرانا اور عرصہ کا تعمیر کیا ہُوا ہے۔ اور قلعہ کے سامنے لب سڑک واقع ہے۔

جین مندر

یہ مندر قلعہ کے قریب لاہوری گیٹ کے سامنے لب سڑک واقع ہے۔ اِسکو نہایت خوشنما بنایا ہے۔ اِس کے باہر کا حصّہ معمُولی ہے لیکن اندر کا حصّہ بہت ہی خوبصورت ہے جس میں گلکاری کی ہُوئی ہے۔ اور بیل بُوٹے وغیرہ خوشنمائی سے کندہ ہیں۔ لالہ ہرسُکھ رائے وسوگن چند نے بنوایا تھا۔ اور اِسمیں آٹھ لاکھ روپیہ خرچ

سنہری مسجد

چوک فوارے کے قریب واقع ہے۔ اِس مسجد میں نادر شاہ تلوار لیکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور اُس کی فوج نے ہزاروں اشخاص کا خون بہایا تھا۔ کہتے ہیں کہ ۸۰ ہزار اشخاص قتل کئے گئے تھے اور خون کی ندیاں بہہ گئی تھیں۔ اور ۱۸۵۷ء میں جبکہ غدر ہوا تھا اُسوقت یہاں بہت سے لوگوں کو پھانسی دیدی گئی تھی۔

چاندنی چوک کے شروع میں کوتوالی کے سامنے بڑا خوبصورت فوارہ ہے۔ اور چاندنی چوک کے درمیان میں ٹاؤن ہال کے سامنے ایک بہت عالیشان گھنٹہ گھر تھا۔ جو پانچ سال ہوئے گر گیا ہے چاندنی چوک کے ختم ہونے پر سامنے فتحپوری کی شاہی خوشنما مسجد ہے۔

مسجد فتحپوری

یہ مسجد بھی شاہان مغلیہ کی بنائی ہوئی ہے۔ جو کہ چاندنی چوک کے ختم ہونے پر جانب غرب واقع ہے۔ اِس کے تین دروازے ہیں۔ صدر دروازہ جانب مشرق چاندنی چوک میں ہے۔ ایک جانب شمال اور تیسرا جانب جنوب ہے۔ دروازہ کے دونوں جانب پہلو میں کشادہ برآمدہ بنا ہوا ہے۔ اِس کا صحن نہایت خوشنما ہے اِس

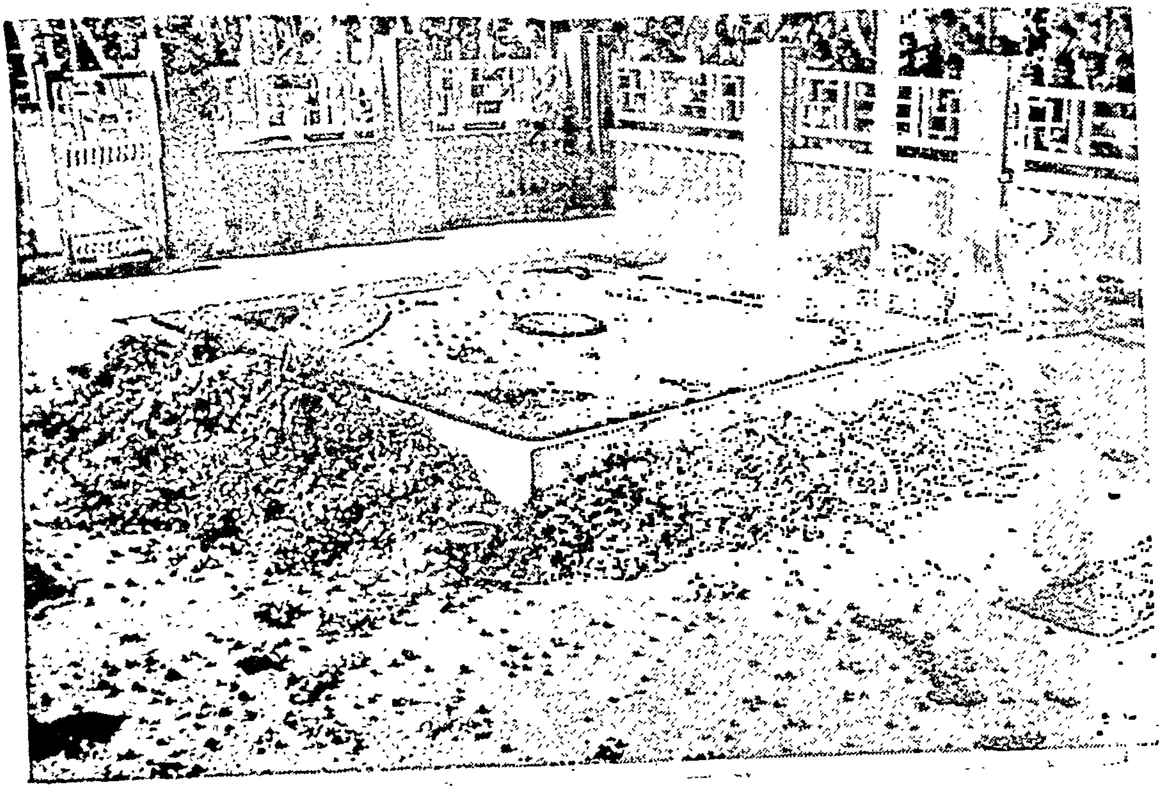
فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایسی کلپنا کیجاتی ہے کہ اس پرانے مقام
کا تعلق مہاراجہ یدھشٹر سے تھا۔ یہاں پر ۳۱ جنوری ۱۹۴۷ء کے
دن، جو ہندوستان کی تاریخ میں تاریک دن تھا، مہاتما گاندھی
جی کی انتم کریا کیگئی تھی۔ یہ مقام آج سارے دیش کا ہی نہیں
بلکہ تمام دنیا کا تیرتھ استھان بن گیا ہے۔ یہاں ہر شکروار کو پرارتھنا
کیجاتی ہے۔

چاندنی چوک و سنہری مسجد

دھلی کا پر رونق اور ہندوستان کا مشہور بازار چاندنی چوک
جسکی سڑک پون میل لمبی اور ۵۰ گز چوڑی ہے جسمیں جواہرات اور
سونے چاندی کے نفیس زیورات کی بڑی بڑی دوکانیں ہیں۔ یہاں
کی کاریگری اور صفائی اور زیورات کی نفاست مشہور ہے۔ یہاں سلطنت
شاہان مغلیہ کے زمانہ میں جواہرات کی دوکان کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اور
بازار کے بیچ میں سے ایک بڑی خوشنما نہر بہتی تھی۔ جو کہ اب مسمار ہو
گئی۔ دھلی کا عالیشان قلعہ اس کے سامنے چوتھائی میل کے فاصلہ
پر واقع ہے۔ چاندنی چوک کا بازار قابل فخر ہے۔ محمد شاہ رنگیلے
کے زمانے میں ۱۷۳۹ء میں جبکہ نادر شاہ نے حملہ کیا تھا تو ہزاروں
آدمی یہاں قتل ہوئے۔ اور بھی ہزاروں خاص خاص واقعات
اس بازار میں رونما ہوئے۔



راشٹرپتی بھون



سمادھی، گاندھی جی

کے قریب واقع ہے۔ یہ عمارت ۷۵۵ھ مطابق ۱۳۵۴ء میں بنی - جبکہ فیروز شاہ نے فیروز شاہ بنادیا تھا۔ اسی زمانہ میں عمارت بھی بنی تھی۔ لیکن یہ عمارت ٹوٹکر بہت خراب ہو گئی ہے۔ اسمیں عمارت میں ایک مشہور و معروف لاٹ ہے اور جس پر اگلی زبان میں عبارت کندہ ہے۔ مگر پڑھی نہیں جاتی۔

اشوک کی لاٹ

اس لاٹ کو مہاراجہ اشوک نے عیسیٰ مسیح سے ۳۰۰ برس پہلے تیار کرایا تھا۔ یہ دہلی سے ۹ کوس پر توپرا کے گاؤں میں تھا۔ وہاں سے ۷۵۱ھ ۱۳۵۱ء میں فیروز شاہ تغلق نے اس لاٹ کو یہاں منگایا۔ اسکی اونچائی ۴۲ فٹ ۷ انچ ہے۔ موٹا سرے پر ۲۵.۲ انچ اور نیچے سے ۳۸.۳ انچ ہے۔ اور اسکا وزن تقریباً ۲۷ من ہے۔ رنگ اسکا پیلا گلابی سا ہے۔ اسکی چمکیلی سطح پر پالی بھاشا میں مہاراج اشوک کے ۷ اصول لکھے ہیں۔ ۱۷۱۴-۱۹ء کے درمیان ۲ فٹ سے یہ لاٹ نیچے گر گئی۔ اور ۱۸۶۷ء میں اسے دوبارہ کھڑا کیا گیا۔ مہاراجہ اشوک نے ایسی بہت سی لاٹ اڑیسہ سے لیکر کابل تک بنوائی تھیں اور بدھ دھرم کے پرچار کیلئے اُن پر پالی بھاشا میں بودھ بھگوان کی پوتر بانی کھدوائی تھی۔

سمادھی مہاتما گاندھی۔ راجگھاٹ

یہ سمادھی راج گھاٹ کی زمین پر اشوک کی لاٹ سے قریباً ایک

شیر منڈل

مسجد کے جانب شمال ایک عمارت دو منزلہ سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ جسکو شیر شاہ لودی نے اپنے عہد سلطنت ۹۴۸ھ مطابق ۱۵۴۱ء میں بنوایا تھا۔ اور اس کا نام "شیر منڈل" رکھا۔ مقصود اس عمارت کو بنانے سے مطلب سیر گاہ تھی۔ اس کے درمیان ایک کمرہ سا بنا ہے۔ اور چاروں طرف پتلی غلام گردش ہے شہنشاہ ہمایوں جب شیر شاہ لودی کے انتقال کے بعد پھر دوبارہ دہلی آیا تو انہوں نے اس عمارت میں قطب خانہ کیا تھا۔ جس وجہ سے لوگ اسکو ہمایوں کا قطب خانہ کہتے ہیں۔ شہنشاہ ہمایوں اس پر کبھی کبھی اعمال ریاضی کیا کرتے تھے۔ جب موت آتی ہے تو کچھ نہ کچھ بہانہ ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ شام کو اذان دینے کے بعد شہنشاہ ہمایوں جبکہ اس کے اوپر سے نیچے اُتر رہے تھے کہ اتفاقاً پاؤں پھسل گیا اور نیچے آن پڑے اور کئی دن بعد انتقال فرما گئے۔ اور ہمایوں بادشاہ از افتاد تاریخ انتقال ہوئی۔

غرض یہ کہ یہ وہی مکان ہے جس پر سے شہنشاہ ہمایوں نے گر کر انتقال کیا۔ اسکا نقشہ دیکھو اور بے ثباتی اور بیقراری دنیا پر عبرت کرو

کوٹلہ فیروز شاہ

یہ عمارت دہلی دروازہ کے باہر تھوڑی دور پر خونی دروازہ

کہ ابتک اس قلعہ میں موجود ہے۔

مسجد قلعہ کہنہ

یہ خوشنما اور قابل تعریف مسجد پٹھانوں کے تیسرے دور حکومت کی بنی ہوئی ہے جسکو شیر شاہ لودی نے ۱۵۴۱ء میں بنوایا۔ یہ مسجد خوش قطع اور نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے۔ اور اس زمانہ کی عمارات میں یہ اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ اسمیں ۵ ڈیزائن جو کہ عمدہ وضع کے بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ مسجد سنگ خارا کی ہے لیکن سامنے کی جانب سنگ سرخ موسی اور سنگ مرمر اس خوبصورتی سے لگایا ہے کہ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے ہر محراب اور گوشہ پہ آیات قرآنی کندہ ہیں مسجد کی چھت پر جا بجا راستہ بھی خوبصورت بنا ہے۔ چھت کے اوپر درمیان میں شاندار گنبد ہے جس کے ادھر ادھر دو چھتریاں تھیں۔ جو کہ ٹوٹ گئیں۔ اس مسجد پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ صرف اندر کے پیش طاق پر کچھ آیتیں کندہ ہیں مسجد کے صحن میں ایک خوشنما حوض ہے۔ جو بے مرمت پڑا ہے لیکن پہلے زمانے کی عالی ہمتوں کی یادگار ہے۔ ایک کنواں بھی بنا ہوا ہے۔ یہ کنواں برائے سہولیت نمازی لوگوں کیلئے امیر حبیب اللہ خاں صاحب امیر کابل جبکہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۷ء میں دہلی تشریف لائے۔ تب انھوں نے بنوایا تھا۔

اس کا نام دین پناہ ہے۔ لیکن اب یہ پرانے قلعہ کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس قلعہ کی ابتدا کوئی نہیں جانتا۔ مگر دراصل پرانا قلعہ اندر پرست کی زمین پر بنا ہوا ہے۔ اندر پرست کا قلعہ ۵۰۰۰ سال پہلے مہابھارت کے وقت میں مہاراجہ یدھشٹر نے بنوایا تھا۔ آجتک بھی اس قلعہ کو اندر پرست کے نام سے پکارتے ہیں۔

موجودہ قلعہ کو مغل شہنشاہ ہمایوں نے بنوانا شروع کیا تھا اور اس کا نام "دین پناہ" رکھا۔ مگر شیر شاہ سے لڑائی میں ہار کر بھاگ گیا۔ بعد میں شیر شاہ سوری نے اسے ۱۵۴۵ء میں مکمل کیا۔ اور اس کا نام "شیر گڑھ" رکھا۔

اس کا رقبہ ایک میل کا ہے اور لمبائی میں زیادہ اور چوڑائی میں کم ہے۔ اس قلعہ کی فصیل سنگ خارا اور چونہ کی بہت مضبوط بنی ہوئی ہے اس قلعہ کے تین دروازے اور ایک کھڑکی مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ کئی کھڑکیاں اور بھی ہیں۔ پہلے زمانہ میں جب یہ قلعہ تیار ہوا ہوگا اور آباد ہوگا تو نہایت خوبصورت ہوگا۔ لیکن اب اسکی فصیل جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ اور اس کے اندر شہنشاہ ہمایوں کی عمارات میں سے قدیمی کوئی مکان باقی نہیں رہا۔ اندر تمام میں پارک ہو گیا ہے۔ صرف دو عمارتیں اسمیں باقی ہیں۔ ایک شیر شاہ کی مسجد اور دوسری عمارت شیر منڈل کی ہے۔ شیر شاہ سوری نے جبکہ شہنشاہ ہمایوں کو بھگا کر فتحیابی حاصل کی تھی تو اُسنے ۱۵۴۱ء میں ایک مسجد اور شیر منڈل کی عمارات بنوائی تھی جو

سے مقبرہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ اور ۱۶ برس کے عرصہ میں پندرہ لاکھ روپے کی لاگت سے بنکر تیار ہوا۔ مقبرہ کے بیچ میں ہمایوں بادشاہ کی قبر ہے۔ اور اس کے احاطہ کے اندر حمیدہ بانو بیگم ملقب بہ مریم مکانی جلال الدین بادشاہ کی والدہ یعنی نواب حاجی بیگم کا مقبرہ ہے۔ مقبرہ کی کرسی کے حجروں میں بادشاہوں اور شہزادوں کی قبریں بنی ہیں۔ کسی میں عالمگیر ثانی، کسی میں فرخ سیر، کسی میں دارالشکوہ وغیرہ کی قبریں ہیں۔ خاندان مغلیہ میں عرصہ تک یہ دستور رہا کہ شاہی خاندان میں جو مرتا تھا، اس مقبرہ میں دفن ہوتا تھا۔ مقبرہ کے برج کے اندر چاروں طرف کھول کھلیاں کے دروازوں میں جس طرف دیکھو تعویذ نظر آتا ہے۔ جو اس خوشنما عالیشان برج کے اندر ہے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں بہادر شاہ بادشاہ قلعہ سے بھاگ کر اسی میں آکر چھپے تھے۔ جبکہ انگریز جالی توڑ کر اندر گھس گئے تھے۔ اور بادشاہ کو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ اور اسی مقبرہ میں سے شہزادوں کو بھی گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ اور شہزادوں کو خونی دروازہ پر میجر ہیبٹسن نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا۔

ہمایوں کے مقبرہ کے پہلے چار دیواری کے باہر عیسیٰ خاں کا مقبرہ اور مسجد ہے جسکو اسلام شاہ لودی نے ۹۴۷ھ میں بنوایا تھا۔

پرانا قلعہ

یہ قلعہ شاہجہان آباد کے قلعہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

قریب ہی جانب شمال میں مشہور و معروف شاعر مرزا غالب کی قبر ہے۔

ہمایوں کا مقبرہ

دہلی کے ساڑھے چار میل فاصلہ پر، جانب جنوب ہمایوں بادشاہ کا عظیم الشان و نفیس مقبرہ ہے۔ جسمیں شہنشاہ ہمایوں کی قبر ہے۔ اور اس کے علاوہ خاندان مغلیہ کے کئی ایک اور بادشاہوں اور بہت سے شہزادوں کی بھی قبریں ہیں۔ یہ نہایت خوبصورت اور بڑی عالیشان عمارت ہے۔ جس کے چاروں طرف خوشنما باغ ہے۔ جو کسی زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ اسکی چاروں طرف کی نہروں میں پانی جاری تھا۔ اور جگہ بجگہ کے حوض پانی سے لبریز رہتے تھے۔ اور اس میں فوارے چھوٹا کرتے تھے۔ یہ عمارت سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ جسمیں سنگ مرمر بھی کافی استعمال کیا گیا ہے۔ جو اسکی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہا ہے۔ گنبد اس کا نہایت خوبصورت نفیس سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اسکی چھت ۸۰ فٹ بلند ہے۔ اندر کا فرش اور دیواریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں۔ اس کا دروازہ نہایت عالیشان اور خوشنما بنا ہوا ہے۔ فصیل اس مقبرہ کی سنگ خارا کی ہے۔ اس مقبرہ کیلئے جگہ خود شہنشاہ ہمایوں نے ہی منتخب کی تھی۔ مغلیہ بادشاہوں کی عمارات کے لحاظ سے یہ سب سے پہلا عالیشان مقبرہ ہے۔ ۱۵۵۶ء میں ہمایوں کے انتقال کے بعد نواب حاجی بیگم صاحبہ زوجہ ہمایوں کی کوشش اور ہمت

کو انتقال ہُوا۔

چبوترا یاران مقبرہ کے صحن میں مغرب کی جانب چبوترا یاران کے قریب مرزا جہانگیر کی قبر ہے جس پر پھول پتوں کا کام ہے اور ایک خوشنما سنگ مرمر کی جالی سے گھرا ہوا ہے۔

اعظم خاں کا مقبرہ نظام الدین اولیا کے مقبرہ کی چار دیواری کے باہر جانب مشرق ...
اعظم خاں یعنی انگا رخاں کا مقبرہ ہے جس نے کہ بادشاہ ہمایوں کی جان بچائی تھی۔ جبکہ ہمایوں شیر شاہ لودی سے لڑائی میں ہار گیا تھا۔

چونسٹھ کھمبا اسکی تعمیر ۲۷-۱۶۰۵ء تک جاری رہی۔ یہ شہنشاہ جہانگیر کا بنوایا ہوا ہے۔ نظام الدین شاہ کے مقبرہ کو جانے کے پہلے چونسٹھ کھمبا کی عمارت ہے۔ جو کہ تمام ہی سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اور نہایت خوبصورت اور خوشنما ہے۔ اس میں چونسٹھ ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس کو چونسٹھ کھمبا کہتے ہیں۔ اسمیں مرزا عزیز کوکلتاش خاں کی قبر ہے۔ یہ مرزا عزیز شمس الدین نگار خاں کے بیٹے ہیں۔ جن کو آدم خاں نے مار ڈالا تھا۔ مرزا عزیز کلتاش خاں کی قبر کے علاوہ مرزا عزیز کے بہت سے عزیز و اقارب کی قبریں ہیں۔ اس عمارت میں چاروں طرف طرح طرح کی خوشنما نہایت نفیس جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اور اسکی چھت اندر سے چھوٹے چھوٹے ۲۵ گنبدنما حصوں میں بنی ہوئی ہے۔ اسکی چار دیواری کے باہر

آدیگا لیکن اُس کے لڑکے محمد تغلق نے شاہ صاحب کو خبر دی کہ وہ فتحیاب ہوکر واپس آ رہے ہیں حضرت نظام الدین اولیاء نے یہ سُنکر جواب دیا کہ ابھی دہلی بہت دُور ہے۔ پس اُن کا یہ فرمانا صحیح ہُوا کہ غیاث الدین پھر زندہ دہلی نہیں آیا اور وہیں مر گیا۔

مسجد خضری حضرت نظام الدین اولیاء کے مقبرہ کے مغربی جانب خضری مسجد ہے۔ جس کو فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۵۳ء میں تعمیر کیا تھا۔

جہاں آرا بیگم کی قبر خضری مسجد کے پاس جانب جنوب شاہجہاں کی خوبصورت دختر جہاں آرا بیگم کی قبر ہے۔ یہاں پر سنگ مر مر کے پتھر پر ایک نظم کندہ ہے۔ جو کہ خود جہاں آرا بیگم نے ۱۶۸۱ء میں جبکہ اسکا انتقال ہُوا اُس کے پہلے نظم کیا تھا۔

محمد شاہ رنگیلے کی قبر مشرق کی جانب محمد شاہ رنگیلے کی قبر ہے جنکی عہد سلطنت میں نادر شاہ شہنشاہ ایران نے ہندوستان پر ۱۷۳۹ء میں حملہ کیا تھا۔ دہلی لُوٹی گئی تھی۔ اور ہزاروں کا کشت و خون ہوا تھا۔

حضرت امیر خسرو کی قبر جنوب کی جانب دروازہ پر اُردو کے نامی گرامی سب سے پہلے شاعر حضرت امیر خسرو کی قبر ہے۔ یہ اُردو کے سب سے پہلے شاعر گذرے ہیں اور حضرت نظام الدین اولیاء کے انتقال کے چھ مہینے بعد ۱۸ شوال ۷۲۵ھ

مقبرہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا

دھلی سے ۵ میل کے

۳ فرلانگ بڑھکر ایک چھوٹا ساگاؤ فاصلہ پر ہمایوں کے مقبرہ سے قریباً"
نظام الدین اولیا کا خوشنما منگاؤں ہے۔ جہاں کہ حضرت سلطان...
اور مسلمانوں کی ایک عظیمی زیارقبرہ ہے۔ جوکہ ہندوستان بھر میں مشہور ہے
کی محنت کا نتیجہ ہے۔ یہ چھوٹا زیارت گاہ ہے۔ یہ مقبرہ یار بار چھپہ سیدھی
برآمدہ ہے سنگ مرمر کا بنا ہوا سا مقبرہ ہے جس کے چاروں طرف
ونگارا ور خوبصورت گلکاری ہے۔ مقبرہ کے در و دیوار پر خوشنما نقش
سفید سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہوئی ہے اور اندر کے پردے کے لئے
یہ مقبرہ ۱۳۲۴-۲۵ء ہوئی ہیں۔
مقبرہ کا گنبد پٹھان ٹائپ کا ہے تعمیر ہوا جبکہ محمد تغلق نے بنوایا تھا
کو بہت مانتا تھا۔ اور شاہ صہے۔ کہتے ہیں کہ محمد تغلق شاہ صاحب
اولیا کے وقت کا ہے۔ جوکہ سنہ ۱۲ صاحب کا مرید تھا۔ حضرت نظام الدین
کا بنوایا ہوا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے ۱۳ء میں تعمیر ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ انہیں
بنوا رہا تھا۔ اور یہاں نظام الدین ہے کہ بادشاہ غیاث الدین جبکہ اپنی عمارت
آدمیوں میں نا اتفاقی کا باعث ہن اولیا اپنا تالاب بنوا رہے تھے۔ دونو
کہتے ہیں کہ ایکبار ہو گیا۔
گیا تھا تب حضرت نظام الدین او غیاث الدین تغلق جبکہ فوج لیکر باہر
لیا نے فرمایا کہ اب زندہ واپس نہیں

مقبرہ غیاث الدین تغلق شاہ

یہ تغلق آباد کے قریب واقع ہے۔ یہ مقبرہ اس زمانہ کی عمارتوں میں نفیس اور خوبصورت بنا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ بات مشہور ہے کہ اس مقبرہ کو بھی غیاث الدین تغلق شاہ نے بنوایا تھا لیکن یہ بات غلط ہے۔ بلکہ یہ جونا سلطان غیاث الدین تغلق کے بیٹے کا بنوایا ہوا ہے۔ جس کی سلطان نے اپنا ولیعہد بنایا تھا۔ اور سلطان کے انتقال کے بعد اس نے اپنا لقب سلطان محمد تغلق شاہ رکھا تھا۔ باپ بیٹے دونوں تغلق شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسلئے یہ مغالطہ ہو گیا ہے۔

یہ ۷۲۵ھ بمطابق ۱۳۲۴ء کے بعد بنا ہے۔ اس مقبرہ کی فصیل سنگ خارا اور چونہ کی بنی ہے۔ اور مقبرہ کے برج کی چار دیواری اندر باہر سے سنگ سرخ کی بہت خوشنما ہے۔ اور تمام برج سنگ مرمر کا ہے۔ اور جابجا سنگ سرخ میں سنگ مرمر کی دھاریاں اور گل بوٹے نہایت نفاست سے بنے ہیں۔

برج کے اوپر ایک کلسی سنگ سرخ کی لگی ہے۔ مگر کچھ ٹوٹ گئی ہے۔ افسوس ہے کہ اس مقبرے کو لوگوں نے بالکل خراب کر دیا۔

اِس وجہ سے اِس عمارت کا نام بھی بھول بھلئیاں رکھا ہے۔

قلعہ تغلق آباد

یہ قلعہ غیاث الدین تغلق شاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ قلعہ کی تیاری ۷۲۱ ہجری میں شروع ہوئی۔ اور بہت جلد بنکر تیار ہوگیا کسی زمانہ میں یہ قلعہ نہایت نفیس ہوگا۔ مگر اب بالکل خراب اور ویران ہے۔ قلعہ کی فصیل جگہ بجگہ ٹوٹی ہوئی ہے۔ اور اندر کے مکان بالکل مسمار ہوگئے ہیں۔ کہ اُن کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ قلعہ کے بیچ میں ایک بلند مکان بنا ہوا تھا۔ جو کہ بادشاہ کی بیٹھک تھی۔ اِس قلعہ کو بادشاہ نے اِس ترکیب سے بنوایا تھا کہ مغرب کی جانب قلعہ بنادیا تھا اور تین طرف یعنی مشرق، شمال اور جنوب کی جانب تغلق آباد کا شہر آباد کیا۔ اور شہر کی فصیل اور قلعہ کی فصیل اِتنی عمدگی سے مِلاکر بنوائی کہ تمام شہر اور قلعہ ایک قلعہ معلوم ہوتا تھا

یہ قلعہ لال قلعہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر جانب جنوب ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بنایا گیا ہے۔ قلعہ کی عمارت چونہ اور سنگ خارا کی بنی ہے۔ پہلے زمانہ کی عمارتوں میں یہ نہایت مضبوط اور خوبصورت عمارت ہے۔ اِس قلعہ کے پاس جانب مغرب تغلق شاہ کا مقبرہ ہے۔

سے لڑانے کے لئے جمع کی تھیں۔ مگر راجہ دھادا کو لڑائی میں فتحیابی ہوئی۔
اور یہ لاٹ اس فتح کی یادگار ہے۔

ادہم خاں کا مقبرہ عرف بھول بھلیاں

قطب الدین کی عمارتوں میں یہ بھی ایک مشہور عمارت ہے
یہ مقبرہ ادہم خاں اکبر بادشاہ کے کوکا کا ہے جس نے شمس محمد خاں
غزنوی اکبر کے ملکہ کو مار ڈالا تھا۔ اور اکبر بادشاہ نے اس کے قصاص
میں ادہم خاں کو قلعہ پر سے گروا کر مروا ڈالا تھا۔ اور واقعہ تاریخ ۱۲ رمضان
المبارک سنہ ۹۶۹ ہجری میں واقع ہوا۔ اور دو خون شد اس کی تاریخ
ہوئی۔ اس عمارت کا گنبد بعد کو بنا ہے۔ چونکہ چونہ اور پتھر کا بنا
ہوا ہے۔ اسکی دیواروں میں اوپر جانے کا راستہ ہے۔ اور ایسا بھی
راستہ ہے کہ دیوار کے گرد چاروں طرف گھوم سکتے ہیں۔ اور اس
میں ایک مقام پر ایسا دھوکہ رکھا ہے کہ آدمی خیال کرتا ہے کہ میں
جس راستے کو جاتا ہوں نیچے کو اتر آؤں گا۔ اور جب نیچے اترنے کا
قصد کرکے وہ جاتا ہے تو بجائے نیچے کے اوپر چڑھتا جاتا ہے۔ اور
پھر جب نیچے اترنے کا ارادہ کرتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ نیچے
اترے، ایک کونہ میں جو نظر سے پوشیدہ واقع ہے۔ اس رستہ پر آن
پہنچتا ہے اور پھر اوپر چڑھ جاتا ہے غرضیکہ اوپر جانے اور نیچے آنے
کا رستہ اس طرح سے بنایا ہے کہ انسان کو دھوکہ ہو جاتا ہے۔

کہ یہاں کوئی سامان نہیں ہے۔ تو خیال کیا کہ اِس کے گرد چار دیواری ہوا دینا چاہیئے۔ کہ وہاں لوگ جوتے اُتار کر اندر آیا کریں۔ پس اِسلئے ایک دروازہ ہوا کر چہار دیواری ہوا دی۔ جو کہ بہت بڑی چار دیواری تھی لیکن اب اِس قدر نہیں رہی۔ کچھ ٹوٹے پھوٹے نشان باقی ہیں۔

۱۲۵۱ھ میں ابو مظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نے آپکی مزار کے گرد صندل کا کٹہرا لگا دیا تھا۔ اور تحجر سنگ مرمر کا شاہ فرخ سیر کے زمانے میں بنا تھا۔ اب اہلیان دہلی نے سنگ مر مر اور سنگ موسیٰ کا فرش ہوا دیا ہے۔ اور مسجد متعلقہ درگاہ میں بھی فرش سنگ مرمر کا پھولدار ہو گیا ہے۔

لوہے کی لاٹ

راجہ دھاوا جو کہ دہلی کے اُنیسویں راجہ تھے، یہ لاٹ اُنکی ہوائی ہوئی ہے۔ جو کہ نیچے سے اُوپر تک لوہے کی ڈھلی ہوئی ہے۔ اِس کی بلندی ساڑھے چھتیس فٹ ہے۔ کہتے ہیں کہ رائے پتھورا کے زمانے۔۔ پنڈتوں نے اِس لاٹ کو باسک کے سر پر گاڑھا تھا۔ اور غرض اِس کے گاڑھنے کی یہ تھی کہ رائے پتھورا کی عملداری کو کسی قسم کا زوال نہ ہو گا۔ لیکن یہ بات غلط اور بیکار ثابت ہوئی۔

اِس لاٹ پر سنسکرت اور ناگری میں تین شلوک کندہ ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ والیٔ سندھ نے اپنی فوج راجہ دھاوا

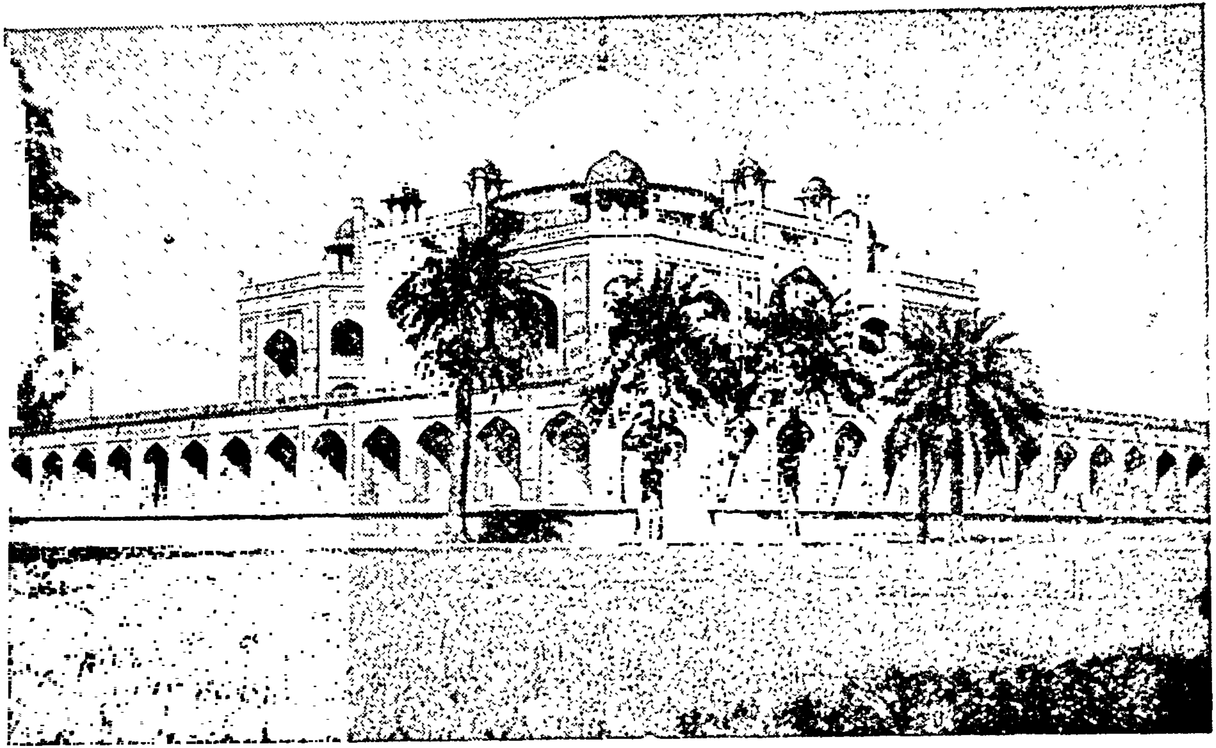
اور قطب مینار بنوایا۔ اور پھر آخر کو زمانہ کی گردش نے اسے بھی خاک میں ملا دیا افسوس! یہ ظالم زمانہ کسی کو بھی نہیں چھوڑتا۔ یہ بہت نیک نیت اور نیک سیرت بادشاہ تھا۔ اس کے عہد سلطنت میں رعایا بڑے امن وچین سے رہتی تھی۔ اس بادشاہ کا ۱۲۳۶ء میں انتقال ہوا۔ اور مسجد قوۃ الاسلام کے عقب میں دفن کیا گیا۔

تواریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقبرہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ اور سلطان رضیہ بیگم کے عہد میں بنایا۔ باوجود اس کے کہ تعمیر کی تاریخ کا کسی کتاب سے ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ لیکن ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۱ء میں سلطان کا انتقال ہوا۔ اس کے حساب سے اس کی تعمیر کی بابت بھی خیال کرو۔

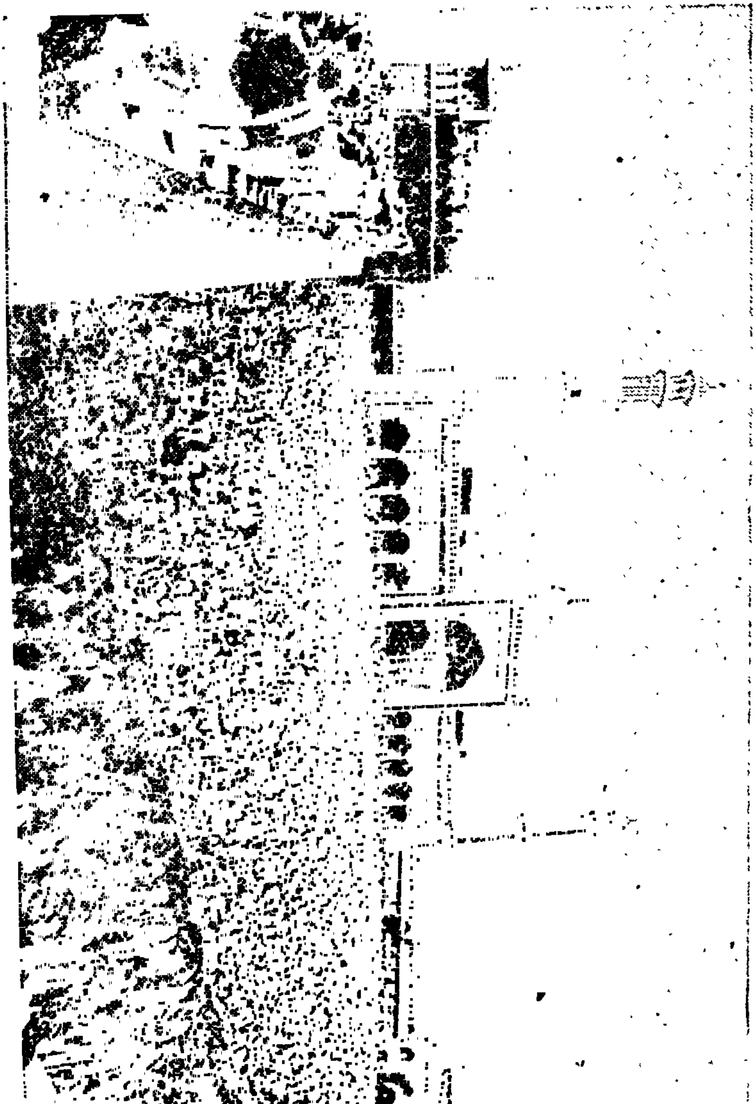
اس مقبرہ کی عمارت باہر سے سنگ خارا کی بنی ہے اور اندر سے سنگ سرخ ہے۔ اور تمام دیواریں قرآن شریف کی آیات سے کندہ ہیں۔ اس کے نیچے سے لائٹ (؟) ہرائے کو سڑک جاتی ہے۔

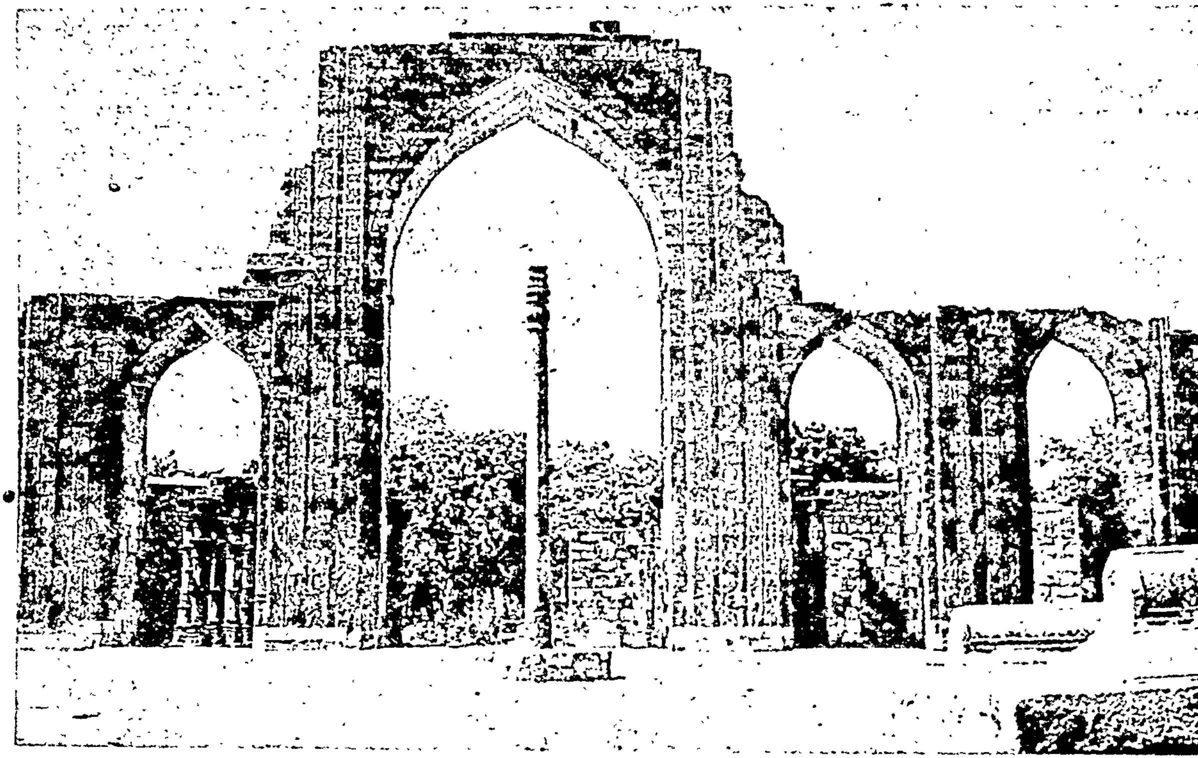
مقبرہ سلطان علاؤالدین خلجی

یہ مقبرہ ۷۱۷ھ مطابق ۱۳۱۷ء میں بنا تھا۔ سلطان علاؤالدین خلجی جس کا انتقال ۱۳۱۶ء میں ہوا، ایسا بادشاہ تھا کہ بڑے بڑے راجاؤں کے زہرے اس کے نام سے پانی ہو جاتے۔ آج اس کی قبر کی حالت یہ ہے کہ لوگ قبر کا تعویذ بھی اکھاڑ کر لے گئے۔

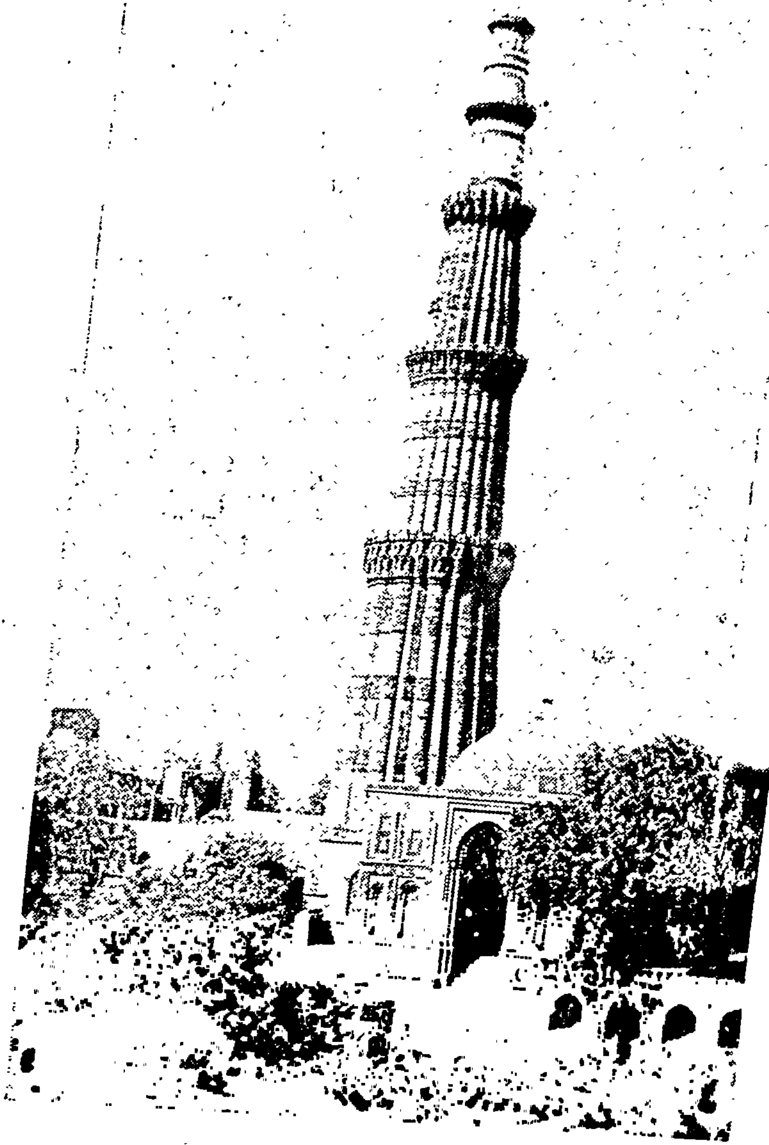


مقبرہ ہمایوں





لوہے کی لاٹ



قطب مینار

جگہوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ اِس کے پہلے درجہ میں ۱۵۶ سیڑھیاں۔ دوسرے میں ۷۸ ۔ تیسرے میں ۱۲۷ ۔ چوتھے میں ۵۰ اور پانچویں میں بھی ۵۰ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اِس میں نیچے کے تین حصے سُرخ پتھر کے ہیں۔ اور اِس کے اُوپر والے سُرخ پتھر اور سنگِ مرمر کے مِلکر بنے ہیں جن پر نہایت خوشنما رنگ ہے اسکی خوبی اور عمدگی سے ہندوستان کے کاریگروں کی ہوشیاری اور کاریگری کا پتہ چلتا ہے۔ اِس کے اُوپر چڑھکر تمام دہلی کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ اور یہاں کا نظارہ قابلِ دید ہے۔

لوٹ:۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے سُنا جاتا ہے کہ اِسمیں سات منزلیں تھیں اور اب صرف پانچ منزلیں موجود ہیں۔ چھٹی منزل کی بابت پتہ چلتا ہے کہ اُسکی اونچائی ۱۲ فٹ ۱۰ انچ تھی۔ جو کہ سنہ ۱۸۰۳ء کے زلزلے میں گر پڑی تھی۔ کہتے ہیں کہ میجر اسمتھ نے سنہ ۱۸۲۹ء میں اُس کو پھر رکھوا دیا تھا مگر بعد میں پھر گورنر ہندوستان کے حکم سے چھٹی منزل کو قطعی نکلوا دیا گیا مگر اِس کے بعد پھر ساتویں منزل کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ کہ وہ کب وہاں سے علیحدہ ہوئی تھی۔

مقبرہ سُلطان شمس الدین التمش

یہ عالی ہمت شہنشاہ کا مقبرہ ہے جنہوں نے مسجد قوۃ الاسلام

ہندوستان میں یہ قابل دید مینار ہے۔ یہ اس قدر بلند ہے کہ اگر اس کے قریب کھڑے ہو کر کوئی شخص اسکی اونچائی کو دیکھے تو سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اُتارے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ کہتے ہیں کہ پہلے اسکی سات منزلیں تھیں۔ مگر اب صرف پانچ منزلیں موجود ہیں۔ اور موجودہ مینار کی بلندی ۲۳۸ فٹ ہے۔ اور چوڑائی نیچے سے ۴۷ فٹ اور اوپر سے ۹ فٹ ہے۔

قطب مینار کو مہاراجہ پرتھوی راج نے جو دہلی کے آخری ہندو راجہ تھے اپنی بیوی کے کہنے پر رائے پتھورا کوٹ کے بیچوں بیچ بنوائی تھی۔ اور اسکا نام پرتھوی لاٹ رکھا تھا۔ ان کے زمانہ میں اس کی صرف پہلی منزل تھی۔ بعد میں قطب الدین نے سنہ ۱۲۰۰ء میں پہلی منزل پر قرآن کی آیتیں کھدوا کر اس کا نام قطب مینار رکھا۔ بقیہ دوسری اور تیسری منزل اس کے غلام اور اس کے داماد شمس الدین التمش نے سنہ ۱۲۳۶ء میں بنوائی۔ چوتھی اور پانچویں منزل فیروز شاہ تغلق نے سنہ ۱۳۵۱ء میں بنوائی تھی۔ پہلی منزل ۹۵ فٹ اونچی ہے۔ دوسری ۵۰ فٹ ساڑھے آٹھ انچ۔ تیسری ۴۰ فٹ ۳½ انچ۔ چوتھی ۲۵ فٹ ۴ انچ اور پانچویں منزل کی اونچائی ۲۲ فٹ ۴ انچ ہے۔ فیروز شاہ نے ۱۳۵۱ء میں اسکی مرمت کرائی تھی۔ اور اوپر کی دو منزلیں پھر سے بنوائی تھیں۔ اور پھر ۱۳۸۶ء میں بہلول لودی نے بھی اس کی مرمت کرائی تھی۔

اس کے بعد پھر جب زلزلے سے اس کو نقصان پہنچا تو اسوقت بھی اسکی مرمت ہوئی تھی۔ اسکی ہر منزل میں مختلف قسم کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اسمیں سلطان کے خطابات بھی کندہ ہیں اور قرآن شریف کی آیتیں کئی ایک

تھا۔ یہ قلعہ گھیرے میں ڈھائی میل لمبا تھا۔ اور بڑی بڑی دیواروں سے گھرا ہوا تھا مغرب کی طرف تین بڑے بڑے دروازے تھے۔ صرف مغرب کی جانب دیواریں بچی ہوئی ہیں جو ایک پہاڑی پر ہیں۔ صرف یہی ٹوٹی پھوٹی دیواریں آج لال کوٹ کی یاد دلاتی ہیں۔

رائے پتھورا کوٹ و پتھورا مندر

جب لال کوٹ پر مسلمانوں کے بہت زیادہ حملے ہونے لگے تھے تو مہاراجہ پرتھوی راج نے رائے پتھورا کوٹ کو ۱۱۸۰ء میں بنوانا شروع کیا تاکہ حملہ آوروں پر زور کا حملہ کیا جا سکے۔ اسکے دس دروازے تھے۔ اور ۲۷ ہندو جین اور بودھوں کے مندر تھے۔ جنکو مسلمانوں نے توڑ پھوڑ کر انکے سامان سے مسجدیں بنوائیں مگر آج بھی رائے پتھورا کا مندر دیکھنے سے کو ...ے کے مندروں کا اصلی خیال لگایا جا سکتا ہے۔

اس مندر کی دیواروں، کھمبوں اور چھتوں پر مسلمانوں نے چونے کا پلاسٹر کر کے مندروں کو مسجدوں کی شکل میں بدل دیا تھا۔ مگر دنیا کے سامنے ایک بار سچائی پھر آ گئی۔ اور اوپر سے چونہ اترنے لگا۔

قطب مینار

دہلی سے ۱۱ میل کے فاصلہ پر یہ عمارت واقع ہے۔ یہ عالیشان مینار دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس کے مقابلہ کا دنیا میں کوئی دوسرا مینار نہیں ہے

درمیان کے گنبد کا محیط ۹۸ فٹ ہے۔ جس میں تین مختلف حصّے ہیں۔ جن کی بابت پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ عمارت کی گولائی کا محیط قریب آدھ میل کے ہے۔ اور عمارت کے چاروں طرف گول برآمدہ ہے۔ جس کے اونچے اونچے پیلرز کی قطار بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔

انڈیا گیٹ

انڈیا گیٹ اُن فوجیوں اور افسروں کی یاد میں بنوایا گیا ہے جو ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں مارے گئے تھے۔ اِس کا سنگ بنیاد شروع میں ڈیوک آف کیناٹ نے رکھا۔ اور اِس کا افتتاح لیڈی ارون نے کیا تھا۔ اِسمیں دیواروں پر فوجیوں کے بہت سے نام نقش ہیں جو کہ بہادری سے لڑتے ہوئے لڑائی میں مارے گئے۔

صفدر جنگ کا مقبرہ

دہلی سے قطب مینار کو جاتے ہوئے یہ مقبرہ راستے میں پڑتا ہے اس کا فاصلہ شہر سے چھ میل ہے۔ یہ عالیشان مقبرہ منصور علی خاں صفدر جنگ کا ہے۔ جو کہ احمد شاہ بادشاہ کے وزیر تھے۔ انکو علم سیاست سے بڑی دلچسپی تھی جسکی وجہ سے یہ رفتہ رفتہ وزیر کی جگہ پہنچ گئے تھے۔

یہ عمارت سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے جسمیں جابجا خوشنمائی کیلئے سنگ مرمر کی دھاریاں دی ہوئی ہیں۔ سنہ ۱۷۵۳ء میں اِن کے مرنے پر

اِس عمارت میں قریب ایک ہزار سے زائد کمرے بنے ہوئے ہیں - اور برآمدوں کی لمبائی قریباً ۸ میل ہے - عمارت کے سامنے خوبصورت حوض ہے جس میں نفیس فوارے لگے ہوئے ہیں -

کونسل ہاؤس

نئی دہلی میں انگریزی کاریگروں کی بنائی ہوئی کونسل آف سٹیٹ اور اسمبلی وغیرہ کی میٹنگ کیلئے خوش نما گول عالیشان عمارت کناٹ پلیس کے سامنے قریب ایک میل کے فاصلہ پر ہے - جس کے قریب ہی گورنمنٹ آف انڈیا کے دفتر اور راشٹرپتی بھون ہے - کونسل ہاؤس کی عمارت نئی دہلی میں سب سے زیادہ شاندار قابل دید عمارت ہے - اور اسمیں ہال کے کمرے خاصکر لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبران کا کمرہ جس میں ۴۰۰ آدمی کی جگہ ہے - اور دوسرے کونسل آف سٹیٹ کا کمرہ جسمیں ۱۲۰ ممبروں کی جگہ ہے بہ نہایت خوشنما، شاندار اور خوبصورت بنے ہوئے ہیں - جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں - اس کی گیلری، کمیٹی کا کمرہ، فوارے، باغات اور پانی کے راستے الگ الگ ہیں - جو کہ بڑی خوبصورتی سے بنائے گئے ہیں - اور نہایت نفیس اور دلکش معلوم ہوتے ہیں -

اسکی بنیاد کا پتھر ۱۹۲۱ء میں ڈیوک آف کیناٹ نے رکھا تھا - اور ۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء میں لارڈ ارون نے اس کو کھولا تھا - اس کے

کی زمین بھی شامل ہے۔ اس میں ۲۷ فوارے، ۷۲ ستون اور ۴۴۰ کمرے ہیں۔ ڈیڑھ میل لمبا اس کا برآمدہ ہے۔ جہاں کہ پودوں کی تازہ ہوا آیا کرتی ہے۔ اس کا فرنیچر نہایت نفیس اور اعلیٰ ہے۔ جو کہ سر ایڈورڈ لیوٹن جینس کا بنایا ہُوا ہے۔ اور وائسرائے کے محل کے سامنے میموریل بنا ہُوا ہے۔ اور وائسرائے کے محل کے قریب ہی دفتر کی شاندار عمارت بنی ہُوئی ہے۔ جو کہ سب سے بڑا دفتر مانا جاتا ہے۔

سکیٹری ایٹ

نئی دہلی میں وائسرائے کے محل کے قریب ہی دارالسلطنت کے دفتر کی بڑی عالیشان دو منزلہ عمارت ہے۔ جس کی بابت خیال ہے کہ شاید یہ دفتر کی عمارت دُنیا کے اور دفتروں کی عمارت میں سب سے بڑی ہے اسکی بُنیاد ۱۹۱۱ء میں شہنشاہ جارج پنجم نے رکھی۔ اس عالیشان عمارت کے دو حصّے ہیں۔ ایک جانب شمال اور ایک جانب جنوب ہے۔ ہر حصّہ میں ایک ایک گنبد ہے۔ جس کی بُلندی ۲۱۷ فٹ ہے اور قطب مینار کی عمارت سے صرف ۲۱ فٹ کم ہے۔ اس عمارت کے خوبصورت ستون، سنگ مرمر کے نفیس پردے، پھاٹک کے محراب کی بُلندی، کلرکیوں کی دہلیز جن پر کام کیا ہوا ہے۔ اس کے اندر کے خوشنما حصّے اور باہر کے حصّوں کی شاندار سجاوٹ۔ اس کے خوشنما صحن اس کی خوبصورتی کو اور بھی بڑھاتے ہیں۔

راشٹرپتی بھون

نئی دھلی میں راشٹرپتی بھون موجودہ زمانہ کی عمارات میں نہایت شاندار اور خوشنما محل ہے۔ اس کی تیاری میں تقریباً سوا کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ دنیا میں بے نظیر عمارتوں میں سے ہے۔ آجکل ہمارے راشٹرپتی اس میں رہتے ہیں۔

اس کی خوشنما شکل اس کے کمروں کی نفیس آراستگی، عالیشان سجاوٹ اور بیچ کا شاندار ہال اس کی بلند جگہ اس کے شہنشاہی خصوصیات اور پُر شکوہ ستون اور سنگ مرمر کے خوبصورت شاہی کمرے اسکی شان و شوکت کو اور بھی دوبالا کرتے ہیں۔ یہ ہربرٹ بیکر اور ایڈون لیوٹن جو دنیا کے مشہور آرکی ٹکٹ ہیں۔ ان کا بنایا ہوا ہے۔ اس کے سامنے خوبصورت اور شاندار باغ لگا ہوا ہے جس میں نفیس فواروں کے ساتھ پھولوں کی خوشنما کیاریاں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں جبکہ رات کو بجلی کی روشنی ہوتی ہے تو اس کی چمک سے سنگ مرمر کی رنگین پتھر اور بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس جگہ کا منظر بڑا دلکش ہو جاتا ہے۔ یہ شہنشاہ جارج پنجم کے اعلان کے وقت سے ۱۹۲۹ء تک وائسرائے کا محل مکمل نہ تھا۔ اسمیں سب سے پہلے ۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو لارڈ ارون اور اُنکی بیگم رہنے کیلئے ٹھہرے تھے۔ یہ جگہ دھلی سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

اس عمارت کا رقبہ ۳۳۰ ایکڑ ہے جسمیں ۱۲۴ ایکڑ باغ

ان کے علاوہ یہاں ایک مہمان شالہ۔ ایک پستکالیہ اور ایک واچنالیہ (دارالمطالعہ) وغیرہ بھی ہیں۔

دیواروں اور اوپر کی گیلری میں بہت سے حیرت انگیز چتر کاریاں ہیں ا۔ ہندوؤں کی مہان شکشاؤں کے سنگرہ ہیں۔ یہاں کے سبھی نقش ونگار الگ جے پور کے کلا ماہروں کے ذریعہ کیئے گئے ہیں۔ اور پتھر کی چوکھٹ بھی جے پور کے سنگتراشوں نے بنائی ہیں جن کی کلاکاری حیرت انگیز ہے۔

یہاں پر بھی ہندو یعنی آریہ دھرم کے مختلف شاخوں کے ماننے والے جن میں سناتنی، بودھ، سکھ اور جین بھی شامل ہیں روزمرہ پوجا، ست سنگ اور کیرتن میں برابر حصّہ لیتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق پوجا پاٹھ کیکے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ مندر میں ہریجن اور تمام ہندوؤں کو داخل ہونیکی اجازت ہے۔ بدیشی مسافر جو آریہ دھرم میں دلچسپی رکھتے ہیں، وہ بھی مندر میں داخل ہوسکتے ہیں صرف صفائی اور پاکیزگی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ پچھلی قطار جس کا تعلق پہاڑ کی اونچی چوٹی سے چلا آیا ہے، کو بناوٹ اور سوکشم آکار پہاڑی منظر میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ باغیچہ۔ گفاؤں فواروں کے مناظر بہت ہی خولصورت ہیں۔ یہ سبھی مناظر دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

برلا مندر

زمانۂ حال میں نئی دہلی میں بنا ہُوا یہ ہندو مندر کسی بھی نگر کیلئے فخر کی چیز ہے۔ پُراتن آریہ دھرم کی زمانہ حال کے ساتھ تعلق رکھنے والی مثالوں میں سے اس مندر کی مثال بہترین ہے۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں راجہ بلدیو داس برلا نے شری سناتن دھرم سبھا نئی دہلی کے ماتحت کئی لاکھ روپیوں کو صرف کرکے اس کو بنوایا۔ ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء میں دھولپور کے مہاراجہ اُدھے بھان سنگھ نے اس کا سنگ بُنیاد رکھا۔ ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء کے روز مہاتما گاندھی جی نے اس کا اُدگھاٹن کیا۔ اور اس کا پرتشٹھا اُتسو مشہور و معروف پنڈت وشوناتھ آچاریہ نے کیا۔ جو کہ ہندو یونیورسٹی کے ادھیاپک تھے۔ اور جن کے ساتھ دیگر بہت سے مانیہ پنڈت بھی آئے ہوئے تھے۔

اسمیں کئی ایک علیحدہ علیحدہ مندر بنے ہوئے ہیں۔ جن میں سے شری لکشمی نارائن کا مندر درمیان میں ہے۔ شیوجی کا مندر داہنی اور شری دُرگا جی کا مندر بائیں طرف ہے۔ اس کے ساتھ جڑا ہُوا ہی ایک طرف گیتا بھون ہے۔ جس میں شری بھگوان کرشن کی پرکشش مورتی مہابھارت کے زمانے کی سوز رہا پُرن چتر کاری سے سُشوبھا ئمان ہو رہی ہے۔ درمیان کی عمارت سے دُوسری طرف بھگوان بُدھ کا شاندار مندر ہے۔ یہاں کی زندگی کے واقعات اور نصیحتیں کندہ ہیں۔

یوم الوداع کے جمعہ کے روز تمام شہر، قصبہ اور گاؤں تک کے لوگ آکر نماز میں شرکت کرتے ہیں۔ اور لاکھوں آدمی یہاں مسجد کے صحن کے اندر اور باہر پریڈ گراؤنڈ اور ایڈورڈ پارک تک نماز پڑھتے ہیں۔ یہ سین دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔ اور عید و بقرعید کے موقعہ پر بھی یہاں بڑی رونق ہوتی ہے۔

جنتر منتر

جنتر کے معنی ہندی زبان میں آلہ رسد کے ہیں لیکن عوام الناس میں یہ جنتر منتر کے نام سے مشہور ہے۔ بہرحال یہ عمارت آلات رسد ہے جو محمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں بنی تھی یعنی ۱۱۳۷ھ مطابق ۱۷۲۴ء میں جے پور کے راجہ جے سنگھ نے جیوتش شاستر کے مطابق بنوایا تھا۔ خوبی ان آلات کو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ کیسی کیسی قوسیں اور کیسے کیسے دائرے مجسم بنائے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آلات خالی از مرمت ہیں۔ بہرحال یہ عمارت دیکھنے لائق ہے۔ اور حالات کواکب اور گردش سماوات صیاد اور اختلاف یوم ولیلہ اور طالع مطالع بلد اس سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ہر طرح کی رسد کیجا سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ اس جگہ کے اکثر آلات ٹوٹ گئے ہیں۔ تاہم جو باقی ہیں وہ دیکھنے اور ان کے قاعدے سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اپنی کمر لگا کر دیوار میں زور لگایا کہ خداوند اپنی رحمت سے اِس مسجد کا رُخ درست ہو جائے۔ تو خداوند عالم نے اُن بزرگ کی دُعا کو قبول فرمایا۔ اِس مسجد کے اُوپر چڑھ کر شہر کا خوشنما منظر۔ پارک اور باغات نہایت خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ اور اُوپر سے یہ منظر بڑا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں بادشاہ سلامت جمعہ کی نماز کیلئے قلعہ سے ہاتھی کی سواری پر رونق افروز ہو کر دہلی گیٹ سے جامع مسجد میں آکر نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ اور عید الضحےٰ کے روز اُونٹ کی قربانی کرتے تھے۔ سلطنتِ مغلیہ کے بعد اِس کی مرمت کیلئے نواب صاحب والئی رامپور نے ایک لاکھ روپیہ عطا فرمایا۔ جس سے اِس کا فرش و دیگر مرمت کی گئی۔ اور اِس کا پشتہ محراب دریا پتھر سے بنایا گیا۔

کہتے ہیں کہ اِس مسجد میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات بھی ہیں۔ اُن کی ریش مبارک کا ایک بال۔ اُن کی کھڑاؤں، اُن کے پاؤں کے نشان کا ایک پتھر ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں کا لکھا ہوا قرآن شریف ہے۔ اور ایک قرآن شریف حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

مسجد کے جانب شمال جواہرات اور ہاتھی دانت کی مشہور دوکانیں ہیں۔ جہاں سے باہر کے لوگ سامان خریدتے ہیں شام کے وقت اِس مسجد کے چاروں طرف خاص طریقہ سے بڑی چہل پہل اور لوجہ چاروں طرف دوکانات وغیرہ کے بڑی رونق رہتی ہے۔ رمضان المبارک

یہ مسجد بنوائی تھی۔ یہ دنیا میں سب سے بڑی اور ہندوستان بھر میں مشہور و معروف مسجد ہے۔ جس کے مقابلہ میں صرف فتحپور سیکری کی مسجد ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بنوانے میں دس لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اسمیں پانچ سال تک پانچ ہزار کاریگروں اور مزدوروں نے روزانہ کام کیا۔

اسکی تعمیر ۱۶۴۴ء میں شروع ہوئی۔ اور یہ ۱۶۵۸ء میں یعنی اورنگ زیب کے زمانہ میں مکمل ہوئی۔ اس کے تین دروازے ہیں جو مشرق، شمال اور جنوب کی جانب واقع ہیں۔ صدر دروازہ جوکہ مشرق کی جانب ہے۔ اسمیں نیچے سے اوپر تک ۳۵ سیڑھیاں ہیں۔ اور شمال کے دروازے میں ۳۹ سیڑھیاں اور جنوب کی طرف کے دروازہ میں ۳۳ سیڑھیاں ہیں۔ دروازوں کے اوپر دونوں جانب خوبصورت مینار ہیں جن کے درمیان میں چھوٹی چھوٹی خوشنما برجیاں بنی ہوئی ہیں اور انکی دیوار کے کنگورے قابل دید ہیں۔ مسجد کی لمبائی ۲۰۰ فٹ اور چوڑائی ۱۲۰ فٹ ہے یہ نہایت شاندار عمارت ہے۔ اس کا صحن بہت کشادہ ہے۔ اس کے بیچ میں حوض بنا ہوا ہے۔ اس کے تین خوشنما گنبد اور دو عالیشان مینار ہیں۔ اندر کو سات محرابیں اور باہر صحن کی طرف گیارہ در ہیں۔ اس کے گنبد اور مینار بڑی خوبصورت وضع کے بنے ہوئے ہیں۔ بیچ کے گنبد کا حصہ ۲۰۱ فٹ اونچا ہے۔ اور میناروں کی بلندی ۱۳۰ فٹ ہے۔ جس میں ۱۳۰ سیڑھیاں بنی ہیں۔ کہتے ہیں کہ بوقت تعمیر اس مسجد کی دیوار ترچھی ہوگئی تھی۔ چنانچہ ایک صاحب بزرگ نے خداوند عالم سے دعا کی اور

غلام قادر نے اسی قلعہ میں نظر بند کیا تھا۔

سنہری مسجد

قلعہ کے جانب شمال و دکھن دہلی دروازہ کے قریب ایڈورڈ پارک کے سامنے یہ مسجد واقع ہے۔ اسکی وضع و قطع بڑی خوشنما ہے۔ یہ سنگ باسی کی بنی ہوئی ہے۔ اسکی گنبدوں اور برجیوں پر کہتے ہیں کہ سونے کے پترے چڑھے ہوئے تھے۔ تمام در و دیوار اس کے سنہری نقش و نگار اور بیل بوٹوں سے لیپے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے یہ "سنہری مسجد" مشہور ہوئی۔ اس کے دائیں جانب ایک حوض تھا جسمیں فوارہ لگا ہوا تھا۔ مگر یہ منہدم ہو گیا۔ اسکی چاردیواری ۱۸۵۷ء میں گرادی گئی۔ اس سے ملحق جو کنواں ہے، وہ بھی بند ہو گیا۔ اب مسجد کا سنہرا کام اور گنبد وغیرہ کے سنہرے پترے کچھ بھی باقی نہیں رہے۔ تاہم بھی یہ مسجد خوشنما معلوم ہوتی ہے

جامع مسجد

دہلی کی مشہور خوشنما عالیشان یہ مسجد جس کا فاصلہ قلعہ سے قریب ڈیڑھ فرلانگ ہوگا، چٹانی بلندی پر واقع ہے۔ یہ مسجد مثل قلعہ کے سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ جس کو شاہان مغلیہ کے نامی بادشاہ شاہجہاں نے خاص طریقہ سے نہایت عمدہ جگہ کا انتخاب کر کے

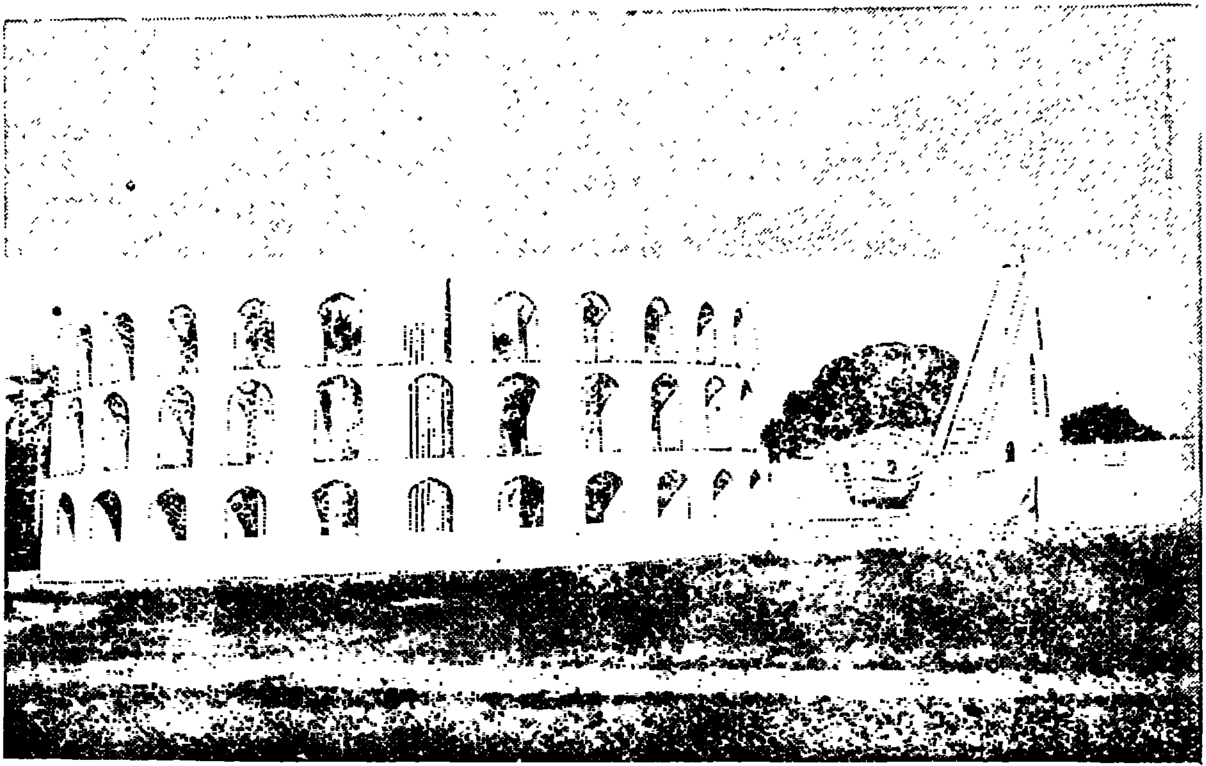
یہاں عہدِ مغلیہ میں "ممتاز محل" نامی ایک عظیم الشان عمارت تھی۔ اب اِس میں عہدِ مغلیہ کے لباس، زیورات، تصویریں اور کتابیں نیز دیگر اشیاء رکھی ہوئی ہیں۔

مُتذکرہ بالا عمارات دہلی کے قلعہ کے خاص مُقامات ہیں۔ اِنکے علاوہ وہاں پر اور بھی کئی محل تھے جو کہ انقلاباتِ زمانہ کی نظر ہو چکے ہیں اُنکی جگہ اب فوجیوں کیلئے کوارٹر بنا دئے ہیں۔ اتنا ہونے پر بھی مغلوں کی بنائی ہُوئی عمارات اُنکی زندہ یادگاریں ہیں۔ اور آج بھی دیکھنے والوں سے اپنی عظمت کا لوہا منوا رہی ہیں۔

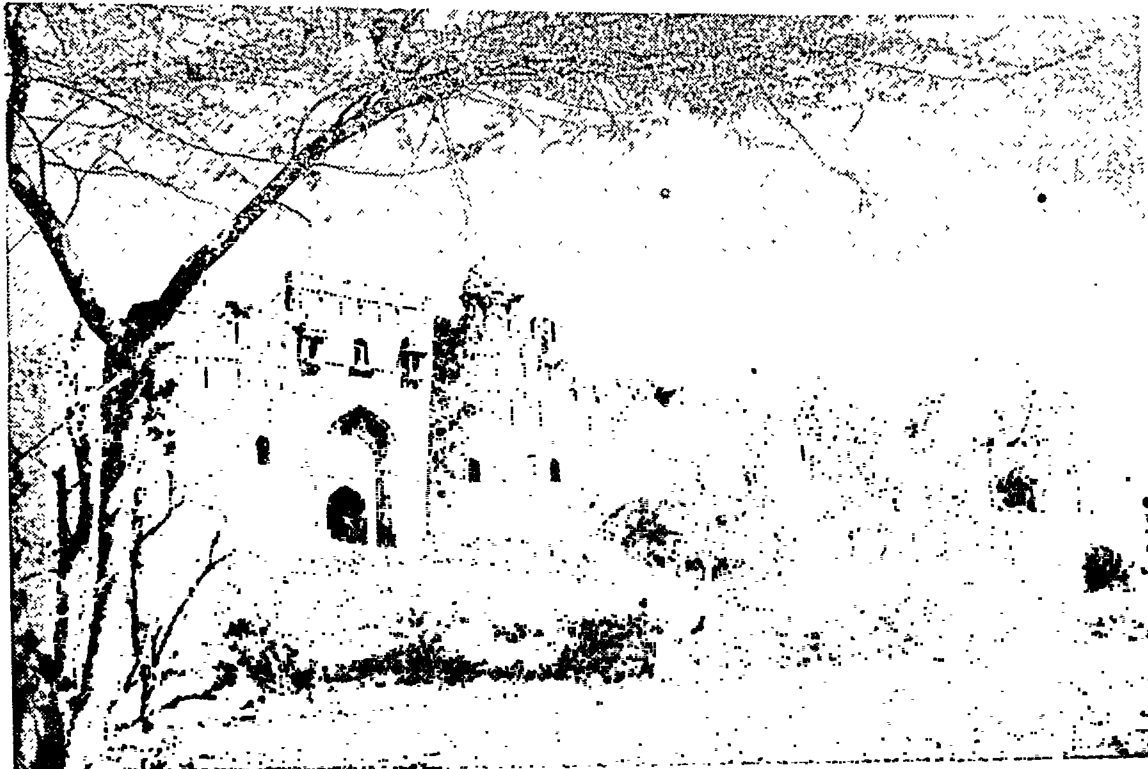
سلیم گڑھ

قلعہ اور دریا کے درمیان سلیم گڑھ نامی ایک پُرانا قلعہ ہے۔ جس کو شیر شاہ سُوری کے بیٹے سلیم شاہ نے ۱۵۴۶ء میں تیار کروایا ہے جب ہمایُوں دوبارہ دہلی آیا۔ تب اُسنے اِس کا نام بدلکر نادر گڑھ رکھدیا کیونکہ اِس کے دُشمن کا نام قایم رہے۔ یہ مُناسب خیال نہ کیا۔

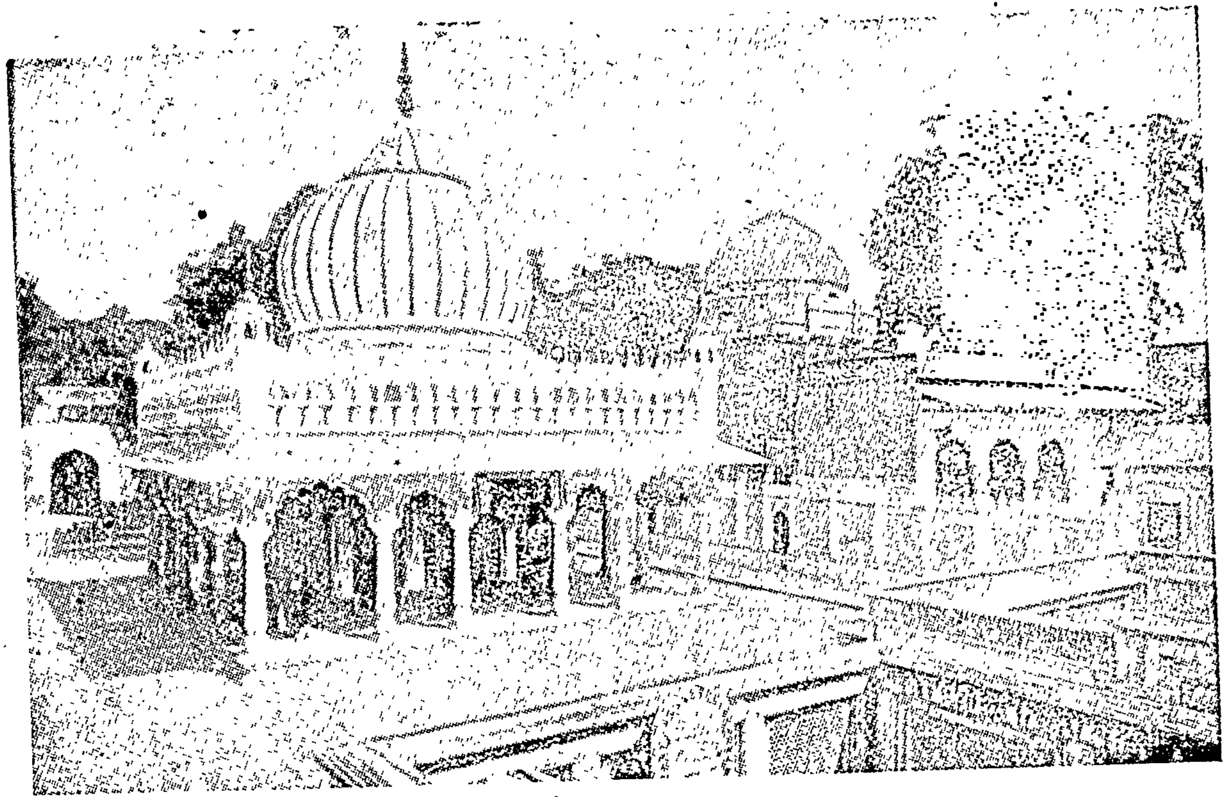
یہ قلعہ دریا کے عین درمیان بنا ہُوا ہے۔ اور اِس قلعہ سے دریا کو آسانی کے ساتھ پار کرنیکی غرض سے شہنشاہ جہانگیر نے پانچ محرابوں کا ایک پُل تعمیر کروایا۔ اگرچہ سلیم گڑھ ایک خاص قابلِ دید مُقام نہیں ہے۔ تاہم بہت سی تواریخی روایات اِسکے ساتھ وابستہ ہیں۔ عہدِ مغلیہ میں بہت سے راجپوت راجے مہاراجے یہاں پر قید کئے گئے تھے۔ اندھے بادشاہ شہنشاہ عالم کو بھی



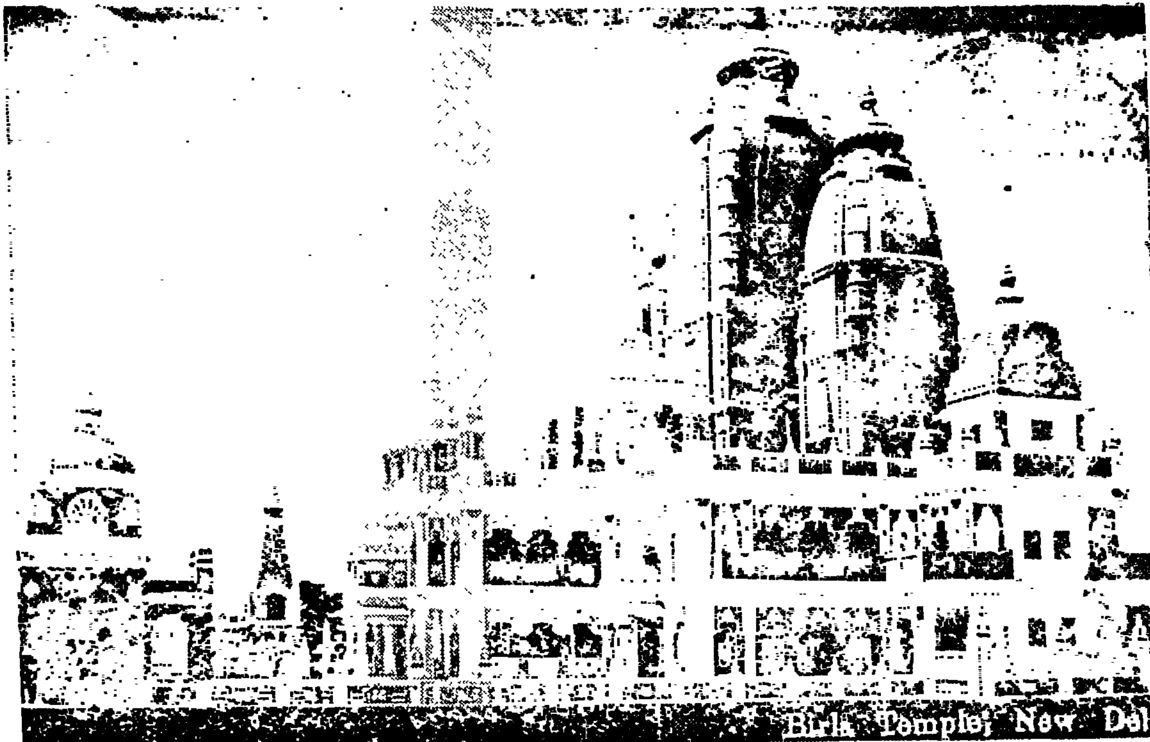
جنتر منتر



پرانا قلعہ



مقبرہ نظام الدین وغیرہ



Birla Mandir

جعفر محل

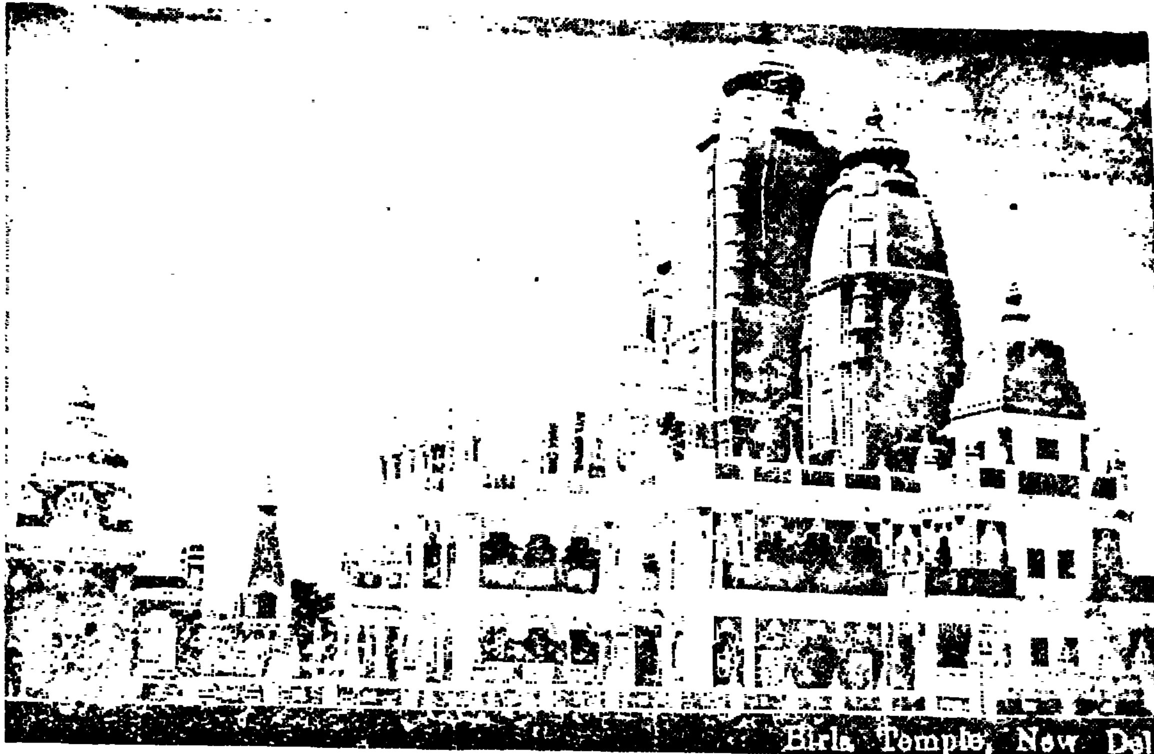
"ساون" اور "بھادوں" کے درمیان ایک سنگِ سرخ کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ جس کو آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ نے بنوایا تھا۔ اس کے مشرق کی طرف اندر داخل ہونے کے لئے ایک چوبی پل بنا ہوا تھا جو کہ بعد میں وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

شاہ بُرج

یہ عمارت قلعہ کے مشرق کی طرف بنی ہوئی ہے۔ یہ ۶۲ فٹ لمبی اور ۳۲ فٹ چوڑی ہے۔ یہاں بیٹھ کر شہنشاہ وزراء کے ساتھ صلاح و مشورہ کیا کرتا تھا۔ اس کے شمال کی جانب دیوار میں ایک ڈھلوان پتھر لگا ہوا ہے۔ جو کہ حوض میں جاکر ختم ہو جاتا ہے۔ پہلے اس کی چھت کے اوپر ایک چھتری نما گنبد بنا ہوا تھا۔

عجائب گھر

لال قلعہ کے اندر دو عجائب گھر بنے ہوئے ہیں۔ جو عجائب گھر چھتہ چوک میں مشرق کی جانب بنا ہوا ہے۔ وہ ۱۹۱۴-۱۸ء کی لڑائی کے آخر میں بنایا گیا تھا۔ اسمیں مختلف قسم کا سامان جنگ، ہتھیار، وردیاں نیزے وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ دوسرا عجائب گھر رنگ محل کے جنوب کی جانب ہے



Birla Mandir

جعفر محل

"ساون" اور "بھادوں" کے درمیان ایک سنگ سُرخ کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ جس کو آخری مُغل شہنشاہ بہادر شاہ نے بنوایا تھا۔ اس کے مشرق کی طرف اندر داخل ہونے کے لئے ایک چوبی پُل بنا ہوا تھا جو کہ بعد میں وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

شاہ بُرج

یہ عمارت قلعہ کے مشرق کی طرف بنی ہوئی ہے۔ یہ ۳۲ فٹ لمبی اور ۲۲ فٹ چوڑی ہے۔ یہاں بیٹھ کر شہنشاہ وزراء کے ساتھ صلاح ومشورہ کیا کرتا تھا۔ اس کے شمال کی جانب دیوار میں ایک ڈھلوان پتھر لگا ہوا ہے۔ جو کہ حوض میں جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ پہلے اس کی چھت کے اوپر ایک چھتری نما گُنبد بنا ہوا تھا۔

عجائب گھر

لال قلعہ کے اندر دو عجائب گھر بنے ہوئے ہیں۔ جو عجائب گھر "چھتہ چوک" میں مشرق کی جانب بنا ہوا ہے۔ وہ ۱۸-۱۹۱۴ء کی لڑائی کے آخر میں بنایا گیا تھا۔ اسمیں مختلف قسم کا سامانِ جنگ، ہتھیار، وردیاں نیز "سکے" وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ دُوسرا عجائب گھر رنگ محل کے جنوب کی جانب ہے

حیات بخش باغ

اس باغ میں نہر کا پانی جاری رہتا تھا۔ اس میں میوہ دار پھلوں کے درخت تھے۔ جابجا خوشنما حوض بنے ہوئے۔ اور فوارے چھوٹ رہے تھے۔ ۴۹ فوارے چاندی کے باغ کے درمیان میں تھے۔ اور ایسے بارہ فوارے اُنکے آس پاس تھے۔ چاندی کے فوارے دن رات اپنی بہار دکھلاتے رہتے تھے۔ حوض کے چاروں طرف ۱۱ گز چوڑی نہریں تھیں۔ اور ہر طرف بیس بیس فوارے تھے۔ لیکن اب باغ کا صرف نصف حصہ باقی رہ گیا ہے۔ باقی حصہ میں بارگیں بن گئی ہیں۔

ساون بھادوں

حیات بخش باغ میں شمال کی جانب "ساون" نامی عمارت اور جنوب کی جانب "بھادوں" نامی عمارت بنی ہوئی ہے۔ ان عمارت کی دیواروں میں حوض بنے ہوئے ہیں۔ اور ان پر چادریں پڑا رہا کرتی تھیں اور ان میں سے پانی نکلکر نہر میں اس طرح سے گرتا تھا۔ جسطرح کہ برسات میں بارش کا پانی برستا ہے۔ ان حوضوں کی دیواروں میں جو طاقچے بنے ہوئے تھے ان میں رات کے وقت چراغ جلائے جاتے تھے۔ جو کہ ستاروں کی مانند ٹمٹماتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ دن کے وقت ان طاقچوں میں گلدستے رکھے جاتے تھے۔

ثمن برج

خوابگاہ کی مشرق کی طرف ایک ہشت پہلو برج بنا ہوا ہے۔ اس کا گنبد تانبے کا بنا ہوا تھا۔ اور اس کے اوپر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ مگر اب یہ چونے کا بنا ہوا ہے۔

دورِ مغلیہ میں شہنشاہ ہر روز صبح یہاں طلوع آفتاب کا نظارہ کرنے آتا تھا۔ اور یہاں اس کی فوجیں اسے سلامی دیتی تھیں ۱۹۱۱ء میں شہنشاہ جارج پنجم اور ملکہ میری نے بھی قلعہ کی دیوار اور جمنا کے درمیان کھڑے ہوئے درشن کرنے والوں کو اپنے دیدار سے بہرہ ور کیا۔

موتی مسجد

حمام کے شمال کی جانب یہ مسجد اورنگ زیب نے ۱۸۳۲ء میں شاہی خاندان کے افراد کے لئے ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ کی لاگت سے تعمیر کروائی تھی۔ یہ مسجد ۴۰ فٹ لمبی، ۳۰ فٹ چوڑی اور ۲۵ فٹ اونچی ہے۔ اور سفید سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اس کے خوبصورت دروازے پیتل کے بنے ہوئے ہیں۔

پہلے اس مسجد کے گنبد تانبے کے بنے ہوئے تھے۔ جو کہ غدر میں لوٹ لئے گئے۔ اس کے بعد یہ سنگ مرمر کے بنا دئے گئے۔

حمام

دیوان خاص کے نزدیک ہی حمام بنے ہوئے ہیں۔ جہاں پرکہ
شاہی خاندان کے افراد غسل کیا کرتے تھے۔ عہدِ مغلیہ میں اِن حماموں
میں بہت سا شیشے کا کام بنا ہوا تھا۔ جو کہ انقلابات زمانہ کی نظر
ہو چکا ہے۔ اِن حماموں کی دیواروں میں جو نقش و نگار بنے ہوئے
ہیں۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن خوبصورت حماموں کو دیکھ کر
شاید کوئی ایسا فرد ہو۔ جس کے دِل میں شاہ دہلی کی مانند دِل کھول کر
دادِ عیش دینے کی تمنّا پیدا نہ ہوتی ہو۔

یہ عمارت بھی تین حصّوں میں منقسم ہے۔ اور ہر حصّہ کا فرش
سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ دریا کی جانب والا کمرہ "سنگھار خانہ" تھا
اور اِس میں شب و روز عطر کے فوّارے جاری رہتے تھے۔ اِس کمرہ کے درمیان
میں جو حوض بنا ہوا ہے۔ اُس سے ضرورت کے مطابق گرم و ٹھنڈا پانی مِل
سکتا ہے۔ اِس حوض کے درمیان چاندی کا فوّارہ بنا ہوا تھا۔ جس میں
سے گلاب جل چھوٹتا تھا۔ اِس کمرے کی کھڑکیوں میں گہرے رنگوں کے
شیشے لگے ہوئے تھے۔ تیسرے کمرے سے صرف گرم پانی ہی ملتا تھا
اِس کی مغربی دیوار میں جو ایک بہت بڑی انگیٹھی بنی ہوئی ہے۔ اُس
میں ۱۲۰ من لکڑی روزانہ جلتی تھی۔

خاص محل

دیوان خاص کی جنوب کی جانب جو محل بنے ہوئے ہیں وہ شہنشاہ کے ذاتی محل تھے۔ یہ سب محل سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان نہر جو کہ "نہر بہشت" کے نام سے مشہور ہے، محلوں کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ خاص محل تین حصوں میں منقسم ہے پہلا عبادت گاہ۔ دوسرا حصہ خواب گاہ۔ اور تیسرا حصہ بیٹھک ہے۔ شاہی دور میں نہ معلوم ان کی سجاوٹ کیسی ہوگی۔ جبکہ اب بھی انکی خوبصورتی کا یہ عالم ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی۔

میزان عدل

عبادت گاہ اور خوابگاہ کے درمیان دروازہ کے اوپر ایک ترازو، جس کے اوپر چاند اور تارے بنے ہوئے ہیں، بنا ہوا ہے شہنشاہ نے اس سے یہ ظاہر کیا تھا کہ اس کے عہد میں انصاف ترازو کی مانند کیا جاتا ہے۔ یہ جالی اتنی خوبصورت ہے کہ ہندوستان تو کیا؟ دنیا میں بھی اسکی نظیر ملنی مشکل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خواب گاہ کے باہر ایک پردہ پڑا رہتا تھا۔ ایک قصہ گو اس طرف بیٹھکر شہنشاہ کو کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ جنہیں سنکر بادشاہ کو نیند آجاتی تھی۔

دیوانِ عام کے ختم ہونیکے بعد شہنشاہ کا خاص دربار بھی اسی عمارت میں منعقد ہوتا تھا۔ شہنشاہ اِس دربار میں صرف خاص الخاص درباریوں کو طلب کرکے اُن سے خاص قسم کی بات چیت کیا کرتا تھا۔ اور اُن سے صلاح و مشورہ لیا کرتا تھا۔

دیوانِ خاص میں آج تک متعدد و اہم واقعات رونما ہو چکے ہیں جن پر اگر ایک نگاہ ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیوانِ خاص خاص واقعات کیلئے تعمیر کیا گیا تھا۔ اِس محل میں ایسٹ اِنڈیا کمپنی کے ڈاکٹر کو شہنشاہ کا علاج کرنے پر ۲۳ گاؤں انعام دیئے گئے۔ اور کمپنی مال پر لگنے والا محصول معاف کردیا گیا تھا۔

اِسی عمارت میں بیٹھکر اورنگ زیب نے اپنے دونوں بھائیوں کو قتل کا حکم دیا تھا۔ اِسی محل میں بیٹھکر نادر شاہ نے شاہ دہلی کو بے دست و پا کرکے اُس سے کوہ نور ہیرا و تخت طاؤس و شاہی خزانہ چھین لئے تھے۔ غلام قادر نے شہنشاہ عالم کی یہیں پر آنکھیں نکالکر اُس کے بیٹے کو قتل کیا تھا۔ اسی جگہ سیندھیا نے غلام قادر کو قید کرکے نابینا بادشاہ سے گئو کشی بند کرنے کا فرمان جاری کروایا۔ یہیں پر شاہ عالم نے لارڈ لیک سے ملاقات کی تھی۔ بوڑھے بادشاہ بہادر شاہ پر جس پر کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا الزام لگایا گیا تھا، یہیں پر مقدمہ چلایا گیا تھا ۱۹۱۱ء میں شہنشاہ جارج پنجم نے یہاں ایک دربار منعقد کیا تھا واقعی ہی اِس خاص محل میں کئی اہم واقعات رونما ہو چکے ہیں۔

کرنا چاہیئے کہ آج سونے اور جواہرات کیلئے کسقدر دریا اور پہاڑ اُلٹنے پڑتے ہیں۔ پُشت کا تکیہ جس پر بادشاہ تکیہ لگا کر بیٹھتا تھا، دس لاکھ روپے کا تھا۔

بارہ جڑاؤ ستونوں پر خوبصورت محرابیں اور مینا کاری کی چھت دھری تھی۔ چھت سے پاؤں تک خالص کندن اور جواہر سے جگمگ کر رہا تھا۔ اور تین سیڑھی بلند چبوترے پر۔ یہ عالم تھا گویا ایک سنار کے کا نمونہ ہے۔ جو کہ انگیٹھی پر دھرا ہے۔ اس کے سامنے کی محراب پر ایک درخت طلائی بھاری دھرا تھا جیسے سبزہ، الماس سے سر سبز اور لال و یاقوت سے گلرنگ کیا گیا تھا

اِدھر اُدھر اُس کے دو مور رنگا رنگ کے جواہرات سے مرصع چونچ میں موتیوں کی تسبیحیں لئے اسطرح کھڑے تھے گویا اب ناچنے لگیں گے۔ چاروں طرف چنبر زرنگار میں موتیوں کی جھالر جھلملاتی تھی۔ آگے ایک شامیانہ جو کہ جواہرات اور موتیوں کی آبداری سے دریائے نور کیطرح لہراتا تھا۔ اور ایک لاکھ روپے کی لاگت سے تیار ہوا تھا۔ سونے دو پولوں کی چولوں پر ایستادہ تھا۔ گرد اُس کے کرسیاں اور چوکیاں اپنے اپنے مرتبے سے سجی ہوئی تھیں۔ تخت کے گرد پاس ادب کیلئے کئی کئی گز تک حاشیئے چھوڑ کر چاندی کا کٹہرا ایسا خوبصورت لگتا تھا کہ جس کی مینا کار جالیاں نظر کو دھوکا دے رہی تھیں۔

یہ اپنی قسم کا نرالا تخت جو کہ عجائبات عالم میں سے ایک تھا، ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ لوٹ کر فارس لیگیا۔ وہاں جا کر اس نے اُسے توڑ پھوڑ ڈالا۔

معلوم ہوتی ہوں گی۔ کہتے ہیں کہ حوض کے اوپر کی چھت بلور کی بنی ہوئی تھی جس میں کمل کے پھول کا عکس نہایت ہی خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ رنگ محل کے باہر جو پتھر کا بہت بڑا کنڈ رکھا ہوا ہے۔ اس میں اس حوض کا پانی گرتا تھا۔ یہ کنڈ ۵ گز لمبا ہے۔ اور اس کی گہرائی ۱½ گز ہے۔

دیوانِ خاص

یہ عمارت ۹۰ فٹ لمبی اور ۶۷ فٹ چوڑی ہے۔ اور یہ سطح زمین سے ۴½ فٹ کی بلندی پر بنی ہوئی ہے۔ اس میں ۳۲ سنگ مرمر کے ستون بنے ہوئے ہیں۔ جو کہ اہل فن کی چابکدستی کا نمونہ ہیں۔ اور اتنے خوبصورت ہیں کہ نظر ملنا مشکل ہے۔ اس کی عمارت نقرئی تھی اور اس پر ۲۹ لاکھ روپیہ لاگت آئی تھی۔ جس کو ۱۷۵۹ء میں جاٹوں نے اکھاڑ ڈالا تھا۔ اس کی ایک محراب پر فارسی زبان میں لکھا ہوا ہے ۔؎

گر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است، ہمیں است ہمیں است

ترجمہ :- اگر روئے زمین پر کوئی بہشت ہے تو یہی ہے یہی ہے یہی ہے۔

درحقیقت اس وقت یہ جگہ بہشت سے کم نہ ہوگی۔ اس عمارت کے درمیان میں شہنشاہ کا نو کروڑ روپے کی لاگت سے بنوایا ہوا تخت طاؤس رکھا رہتا تھا۔ تخت طاؤس شاہجہاں کی نادر زمین اور نمونہ عجائبات عالم تھا۔ کروڑ روپیہ کہنے کو دو لفظ اور ایک بات ہے۔ مگر خیال

دبا کر نا تھا۔

لال پردہ

دیوانِ عام کی بائیں طرف ایک "لال پردہ" نامی دروازہ تھا۔ جس پر کہ ایک سُرخ رنگ کا پردہ لٹکا رہتا تھا۔ اِس دروازہ میں صرف خاص عہدیدار ہی گذر سکتے تھے۔ اور وہ سب کے سب لال پردہ کہلاتے تھے۔

رنگ محل

عہدِ مغلیہ میں یہ محل مختلف رنگوں کے قیمتی پتھروں کے جڑے ہونے کے سبب رنگ محل کہلاتا تھا۔ یہ عمارت ۱۵۳ ½ فٹ لمبی اور ۶۹ ½ فٹ چوڑی ہے۔ اِسکی چھتوں پر خوشنما بیل بُوٹے بنے ہوئے ہیں۔ پہلے اِسکی چھتیں چاندی کی بنی ہوئی تھیں اور اُن پر سونے کی میناکاری کی ہوئی تھی۔ مگر فرخ سیر نے اس کو اُکھڑوا کر گلوا دیا۔ اِس عمارت کی دریا کی طرف والی دیوار میں پانچ نہایت ہی خوبصورت جالی دار کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں۔ اِن کھڑکیوں میں سے بیگمات و شہزادیاں میدان میں ہونیوالی ہاتھیوں نیز دُوسرے جنگلی جانوروں کی لڑائیاں دیکھتی تھیں۔

رنگ محل کے عین درمیان سنگِ مرمر کا ایک مربعہ حوض بنا ہُوا ہے۔ جس کے اندر کمل کا کھلا ہُوا پھُول نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے عہدِ مغلیہ میں چلتے ہوئے پانی میں اِس کی رنگین پتیاں نہایت خوشنما

شاہی تخت

دیوانِ عام کے اندر فرش سے دس فٹ اونچا ایک سنگ مرمر کا چھتر دکہ بنا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کی دیوار پر مشہور فرانسیسی مصور آسٹن ڈی وار ڈکس کے بنائے ہوئے دلکش مناظر ہیں۔ عہد مغلیہ میں ان میں ہیرے و جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ جو کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں اُدھیڑ لئے گئے۔

اس چھتر دکے کے نیچے سنگ مرمر کی ۷ فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی ایک چوکی بنی ہوئی ہے۔ جس پر کھڑا ہو کر وزیر اعظم شہنشاہ کے حضور میں عرضیاں پیش کیا کرتا تھا۔ نیز دور دراز کی خبریں گوش گذار کیا کرتا تھا۔ دیگر راجگان، مہاراجگان، سرداران و سفیران نیچے کھڑے ہوتے تھے۔ باہر کی طرف گلال باڑی نامی ایک چبوترہ بنا ہوا تھا۔ جہاں پر کہ ادنیٰ اہلکاران و عام خلقت کھڑی ہوتی تھی۔

ہر روز بادشاہ کی تشریف آوری پر یہاں دربار منعقد ہوا کرتا تھا۔ اس دربار کی رونق کے کیا کہنے ہیں ناقابل بیان ہے۔ لہٰذا بیان نہیں ہو سکتی۔ سب سے اوّل زرّیں پوش شاہی گھوڑے شہنشاہ کے سامنے سے گذارے جاتے تھے۔ اس کے بعد ہاتھی۔ جن کے پہلو میں نقرئی زنجیروں میں نقرئی گھنٹے بندھے رہتے تھے۔ اس کے بعد شکاری جانور شہنشاہ کے حضور میں پیش کئے جاتے تھے۔ زاں بعد شہنشاہ فریادیوں کی فریاد سنتا تھا اور مجرموں کو جرائم کا ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد سزا دی جاتی تھی

ایک دو منزلہ عمارت دکھائی دیتی ہے۔ اِس محل کی لمبائی ۱۹ فٹ اور چوڑائی ۱۸ فٹ ہے۔ عہدِ مغلیہ میں اِس عمارت کے اندر ہر روز پانچ مرتبہ نوبت بجتی تھی۔ اور اتوار کو جسے "یومِ آفتاب" کہا جاتا تھا اور بادشاہ کے جنم دن کو تمام دن بجتی رہتی تھی۔ اِس عمارت کے اندر سوائے شاہی خاندان کے افراد کے دوسرا کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر نہ جا سکتا تھا۔ قلعہ کا اندرونی حصّہ دیکھنے کے لئے اِس عمارت کے اندر سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔

دیوانِ عام

یہ عمارت سنگِ سُرخ سے چار فٹ اونچی کُرسی پر بنی ہُوئی ہے۔ عہدِ مغلیہ میں اِس کا طُول ۵۰۰ فٹ اور ارض ۳۰۰ فٹ تھا۔ اِس کے اندر سنگِ سُرخ کے ستونوں کی کئی قطاریں ہیں جن پر کہ آسمانی رنگ اور نہایت چمکدار ملمع چڑھا ہُوا تھا۔ اور اس میں جا بجا خوبصورت پھول بنے ہُوئے تھے۔ اِس عمارت میں دیواروں پر بیسیوں تواریخی نظارے بنے ہُوئے تھے جو کہ فنکاروں کے شاہکار تھے۔ اِس عمارت کے چاروں طرف طلائی کٹہرا لگا ہُوا تھا۔ شہنشاہ کے تخت کے سامنے ایک شامیانہ ایستادہ رہتا تھا جس کی جھالر موتیوں کی تھی۔ اور جس کے درمیان میں جواہرات سے جڑا ہُوا زردوزی کا سنہری کام کیا ہُوا تھا۔

خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ پہلے یہاں ہاتھیوں پر دو راجپوت بہادروں جیمل اور فتا کی مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔ جن کو اورنگ زیب نے مروا ڈالا تھا۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن کے حکم سے دو نئے ہاتھی تیار کروا کر یہاں کھڑے کئے گئے۔ اور ان ٹکڑوں کو عجائب گھر میں رکھوا دیا گیا۔

چھتّہ چوک

لاہوری دروازہ میں داخل ہونے کے بعد ایک ۲۳۸ فٹ لمبا اور ۲۸ فٹ چوڑا احاطہ ہے۔ جس کو چھتّہ چوک کہتے ہیں۔ اس چوک میں ایک اچھا خاصہ بازار بنا ہوا ہے۔ جس کے دونوں طرف ۳۲ دو منزلہ دوکانیں بنی ہوئی ہیں۔ ایسا چھت دار چوک شاہجہاں نے ہی سب سے پہلے تعمیر کروایا تھا۔

چوک کے سامنے جو ۲۰۰ مربع فٹ کا صحن ہے عہد مغلیہ میں اس کے چاروں طرف سنگین کٹہرا بنا ہوا تھا۔ جس کے عین درمیان میں ایک تالاب بنا ہوا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس صحن سے دلّی دروازہ تک ایک بازار بنا ہوا تھا۔ جس میں ادنیٰ اہلکار خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ اب اس جگہ گھاس کا ایک گول خطہ ہے۔

نوبت خانہ

گھاس کا گول چکر عبور کرنے کے بعد چھتّہ چوک کے سامنے

"لاہوری دروازہ" کے نام سے مشہور ہے۔ دُوسرا دروازہ قلعہ کی دُوہری دیوار میں ہے۔ اِسے "دلّی دروازہ" کہتے ہیں۔ اِن کے علاوہ اِس میں تین دروازے اور دو کھڑکیاں اور بھی ہیں۔

لاہوری دروازہ

یہ دروازہ سب دروازوں سے خوبصورت ہے۔ اور چاندنی چوک کی طرف کھلتا ہے۔ عہدِ مغلیہ میں مینا بازار اِسی دروازے کے سامنے منعقد ہوا کرتا تھا۔ دروازہ کے دونوں طرف دو چھتری دار بُرج بنے ہوئے ہیں۔ اور چھتریوں کے درمیان سفید سنگِ مرمر کی سات بُرجیاں نہایت ہی دیدہ زیب بنی ہوئی ہیں۔ بُرجوں کے دونوں طرف دو بہت بڑے ہشت پہلو مینار بنے ہوئے ہیں۔ اِسکی دیواروں پر میناکاری کا بہت اچھا کام کیا ہوا ہے۔ اورنگ زیب نے دروازہ کی حفاظت کے خیال سے اِس کے آگے ایک حفاظتی دیوار بنوادی تھی جس پر شاہجہاں نے اُسے لکھا تھا "تم نے قلعہ کو دُلہن بنادیا ہے اور اس پر گھونگھٹ ڈالدیا ہے"۔

دلّی دروازہ

اِس دروازہ کا رُخ پُرانی دِلّی کی طرف ہونیکے سبب یہ "دِلّی دروازہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اِسکی بناوٹ لاہوری دروازہ کی طرز پر ہی ہے۔ اِس دروازہ کے اندر دو سنگین ہاتھی کھڑے ہونیکے سبب یہ زیادہ

مُغلیہ دور میں اِس قلعہ کو جو رونق نصیب تھی، وہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ کئی وجوہات سے اب وہ رونق نہیں رہی۔ ۱۷۱۹ء میں بار بار آنے زلزلوں کے اِس عظیم الشان عمارت کو کافی نقصان پہنچا۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ "تختِ طاؤس" لُوٹ کر فارس لے گیا۔ ۱۷۵۹ء میں جاٹوں اور مرہٹوں نے اِسکی عمارات کا حُلیہ بگاڑ کر رکھدیا۔ ۱۷۹۸ء میں غلام قادر روہیلہ قلعہ میں آگ لگا کر بھاگ گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد قلعہ میں سے کئی محلوں کو گرا دیا گیا۔ اور کئی باغیچوں کا نام و نشان تک مِٹا دیا گیا۔

باوجود اتنا کچھ ہو جانے پر بھی قلعہ ایک قابلِ دید مُقام ہے کیونکہ اِسکی خوبصورتی میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔

لال قلعہ کے ساتھ کئی تواریخی روایات وابستہ ہیں۔ اِس کے اندر تین تواریخی مُقدمے بھی ہوئے۔ اوّل ۱۸۵۸ء میں آخری مُغل بادشاہ بہادر شاہ کا۔ دُوسرا آزاد ہند فوج کا۔ اور تیسرا مہاتما گاندھی کے قاتل کا۔

ہندوستان کی وہ آس جو کہ وہ برسوں سے کئے بیٹھے تھے، ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پُوری ہُوئی۔ جبکہ پہلی بار پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنے دستِ مُبارک سے لال قلعہ پر ترنگا جھنڈا لہرایا۔

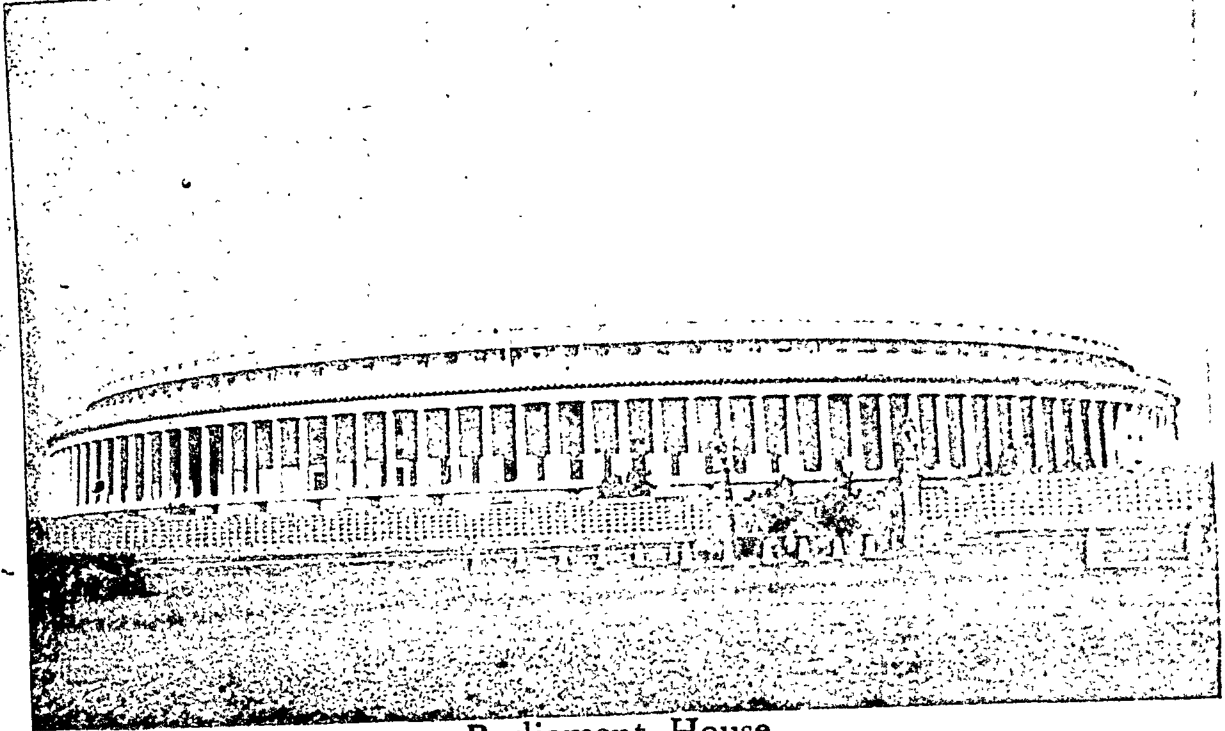
قلعہ میں داخل ہونے کے لئے بہت بڑے بڑے دو دروازے بنے ہُوئے ہیں۔ ایک دروازہ قلعہ کی مغربی دیوار میں بنا ہُوا ہے۔ اور

گز کشمیر پشمینے اور گجرات کے زربان اُن پر خرچ ہوئے تھے۔ دونوں ستونوں
اور چاندی کے استادوں پر کھڑے تھے۔ اُن کے آگے خوشنما شامیانے
طلسمی و زربافی سنہری روپہلی چوبوں پر تانے گئے تھے۔
دیوان عالی جس طرح طلائی چھت کی میناکاری سے
گوناگوں تھا، صدر سے لیکر پا انداز کے ایک ایک مکان تک در و
دیوار کو مخملی زربان، بادلہ و کمخواب، پردہ ہائے فرنگی، دیبائے رومی
اطلس چینی سے نگارخانہ چین کر دیا۔ صدر میں تخت طاؤس بچھایا گیا
تخت طاؤس شہنشاہ کی تازہ ترین یادگار اور نمونۂ عجائبات
عالم تھا۔ کروڑ روپے کہنے کو دو لفظ اور ایک بات ہے۔ مگر خیال کرنا
چاہیئے کہ آج اس قدر سونے کے لئے اور جواہرات کیلئے کس قدر دریا
اور پہاڑ اُلٹنے پڑتے ہیں۔ پشت کا تخت جس پہ بادشاہ تکیہ لگا کر بیٹھتا
تھا، دس لاکھ روپے کا تھا۔
بادشاہ مسند پر بیٹھا۔ دل کھول کر خیرات کی شہزادوں اور
وزیروں کو خلعت اور ترقی منصب کے احکام سنائے گئے۔ مکرمت
خاں کو پنج ہزاری کا منصب عنایت ہوا۔
آجکل یہ قلعہ صرف لال قلعہ کے نام سے مشہور ہے۔
مگر پہلے یہ کئی ناموں سے مشہور تھا۔ شاہجہاں و اورنگ زیب کے عہد
میں اس کا نام "قلعہ مبارک" تھا۔ اکبر ثانی و بہادر شاہ کے عہد میں
یہ "قلعہ معلی" کے نام سے مشہور ہوا۔

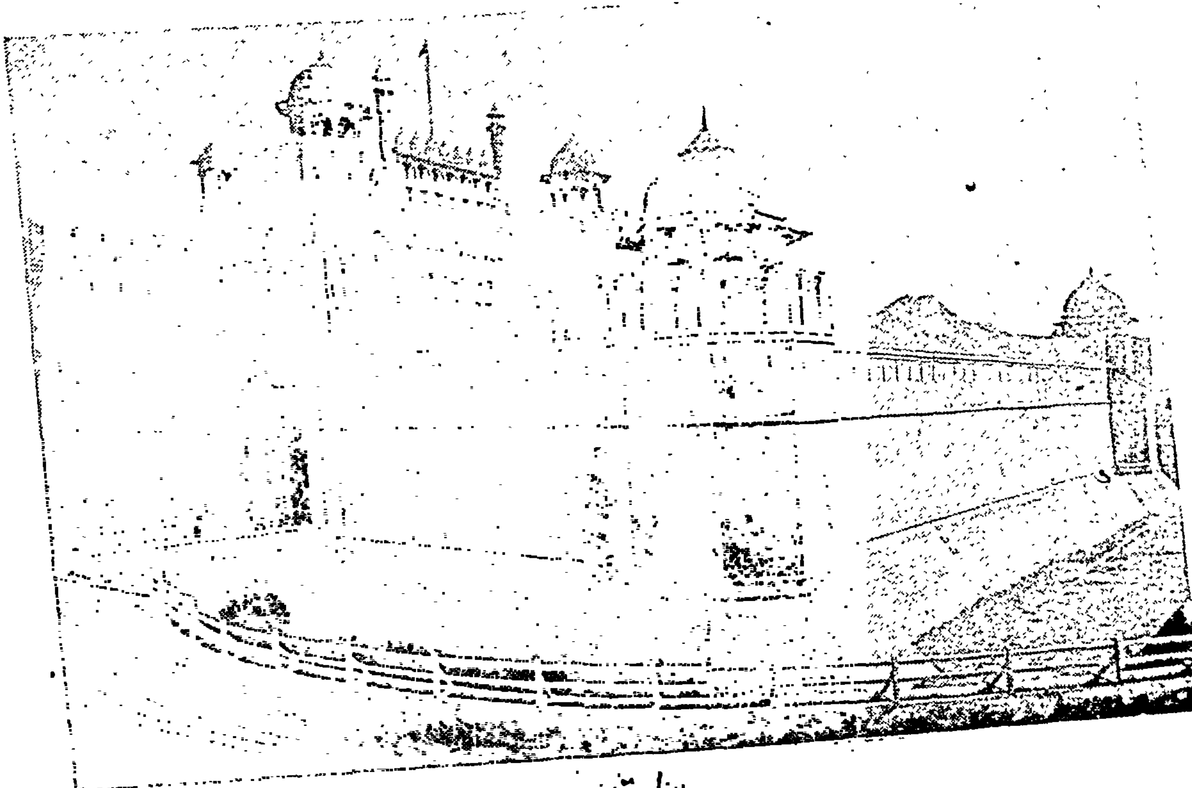
دو لمبے کنارے ہیں۔ اور شمال و جنوب کی جانب چھ چھوٹے لمبے کنارے ہیں۔ اِس کا پھیلاؤ تقریباً ڈیڑھ میل ہے۔ اور اِس کا طول شمال سے جنوب کی طرف ۳۱۰۰ فٹ ہے۔ اور ارض مشرق سے مغرب کی طرف ۱۸۰۰ فٹ ہے۔ قلعہ کی جمنا کی طرف کی دیواریں ساٹھ فٹ اونچی ہیں۔ اور سامنے کی طرف کی دیواریں سطح زمین سے ۷۵ فٹ اونچی ہیں۔ قلعہ کے چاروں طرف ۷۵ فٹ ساری چوڑی اور ۳۰ فٹ گہری خندق بنی ہوئی ہے۔ جو کہ ایام جنگ میں پانی سے بھر دی جاتی تھی۔

قلعہ کے تیار ہونے پر شہنشاہ دریا کی جانب کے دروازہ سے قلعہ میں داخل ہوا۔ شہزادہ دارا شکوہ اندرونی دروازہ تک اس پر طلائی مہریں نچھاور کر رہا تھا۔ شہنشاہ نے قلعہ کو ملاحظہ کیا سر سے پاؤں تک سنگ سرخ سے گلرنگ۔ اُس پر سنگ مرمر کے حاشیے کا نرالا ڈھنگ، برجیاں، فصیلیں اور مغولیں خوشنما عمارتیں، باغ اور باغوں کی نہریں۔ ایسی دلکشی کہ اگر بلا مبالغہ ایک ایک کی تفصیل لکھی جائے تو ایک دفتر آراستہ ہو جائے۔ کُل قلعہ کا نقشہ دیکھو تو کاغذ پر ایک شہنت پہلو پھول نظر آئے۔

جشن کا سامان شروع ہوا۔ دیوانِ عام کے سامنے وہ شامیانہ جس کا نام دل بادل تھا۔ اور دیوانِ خاص کے میدان میں سہانا منڈل خیمہ ایستادہ کیا۔ جس کا کلس خیمہ تلک کے پار نکلا جاتا تھا۔ یہ بھی سات برس کے عرصہ میں تیار ہوئے تھے۔ اور ہزاروں



Parliament House



لال قلعہ

لال قلعہ

یہ بلند اور مضبوط لال قلعہ جو کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد آج بھی دیکھنے والوں سے اپنی عظمت کا لوہا منوا رہا ہے۔ دریائے جمنا کے کنارے شہر دہلی کی مشرق کی طرف واقع ہے۔ یہ خاندان مغلیہ کے عادل، رحمدل، بہادر اور بے نظیر بادشاہ شاہجہاں نے، جس کا عہد سلطنت تعمیرات کے لئے خاص طور پر مشہور ہے، تعمیر کروایا تھا۔ شہنشاہ نے گیارہ سال تک آگرہ کو اپنا پایۂ تخت بنائے رکھا۔ بعد میں اس نے محسوس کیا کہ آگرہ میں گرمی زیادہ ہے۔ لہذا دہلی کو حکومت کا صدر مقام قرار دیا جاوے۔ یوں بھی آگرہ کی زمین اونچی نیچی تھی۔ اور قلعہ میں جگہ تنگ تھی۔

شہنشاہ نے دہلی کے کئی چکر کاٹے۔ اور کئی جیوتشیوں نیز حکما کے مشورہ سے سلیم گڑھ سے جنوب کی طرف ایک قطعہ کا انتخاب کیا۔ ۱۶۳۸ء میں اس عظیم الشان قلعہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور نو سال تین ماہ کے بعد یہ نو کروڑ کی لاگت سے تیار ہوا۔ اس کی تعمیر کا کام مشہور ماہر تعمیرات مکرم خاں کے سپرد تھا۔

یہ قلعہ شہت پہلو بنا ہوا ہے مشرق و مغرب کی جانب

چنانچہ دھلی کا نصیبہ چمکا۔ اور "نئی دہلی" اس کے برابر آباد ہوئی جس
میں سرکاری دفاتر۔ قلعہ شاہی، وائسرائے لاج کونسل چیمبر، انڈیا
گیٹ، اور ہندی نواب راجاؤں کی کوٹھیاں محلات بن گئے جن
سے دھلی کی رونق بڑھ گئی ہے۔ اور آبادی میں بھی اضافہ ہوگیا ہے
اب شہر روز بروز ترقی اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور شان حاصل
کرکے دنیا کے اوّل درجہ کے شہروں میں با اعتبار خوبصورتی، علوم
و فنون اور آبادی و تجارت، شمار ہونے لگا ہے۔

کس زبان سے دہلی کا حال بیان کیا جائے اور کس قلم سے دہلی کا حال لکھا جائے۔ زبان خاموش ہے اور قلم خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ دہلی خود اپنی تاریخ ہے۔ اس کے عالیشان اور شکستہ کھنڈرات خود زبان حال سے دہلی کی عظمت رفتہ اور دور گذشتہ کی یاد دلا رہے ہیں۔ ~

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنا دید عجم را

دھلی کی خاک سے ایسے ایسے با کمال پیدا ہوئے۔ جو بینظیر تھے۔ اس دہلی نے ترقی کے بڑے بڑے دور دیکھے اور بڑی بڑی تباہیاں اور بربادیاں بھی دیکھیں۔ ایسی کہ جن کے صرف خیال سے ہی کلیجہ منہ کو آئے اور پتھر کا جگر پانی ہو جائے۔ سینکڑوں مرتبہ آباد ہوئی اور سینکڑوں مرتبہ اُجڑی اور برباد ہوئی شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ ایسی خونریزیاں ہوئیں کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں تو ایسی تباہ و برباد ہوئی کہ گدھوں کے ہل چل گئے۔ ہزاروں آدمی گھروں سے بے گھر ہو گئے۔ جان و مال کی بھینٹ چڑھیں شہر اُجڑ گیا۔ اور رہی سہی رونق بھی خاک میں مل گئی۔ جب غدر کی بلا دُور ہوئی تو گورنمنٹ برطانیہ کا راج شروع ہو گیا۔ اور سلطنت مُغلیہ ختم ہو گئی۔ ~

سلطنت دست بدست آئی ہے
جام مئے خاتم جمشید نہیں

۱۹۱۱ء میں دہلی میں بڑا دربار ہوا۔ تمام راجہ نواب آئے۔ اور ملک معظم جارج پنجم نے دھلی کو سارے ہندوستان کا دارالسلطنت مقرر کر دیا۔ جب سے پھر دہلی کے دن پھرنے چلے گئے۔

اور اُس کا لڑکا چھیتا پھرتا تھا۔ لہذا یہ اچھا موقعہ پاکر مرہٹوں نے حملہ کردیا۔ اور دہلی کے قلعہ کو خوب لوٹا۔ اِس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی بہت زور پکڑ رہا تھا۔ اور شمال مغرب کی طرف ہندوستان میں حکومت کر رہا تھا۔ یہ ۱۷۶۱ء میں اپنی فوج لیکر دہلی آیا۔ اور مرہٹوں کو بھگا دیا۔ مگر احمد شاہ نے مغل اور بادشاہوں کے اپنی حکومت قائم نہیں کی۔ بلکہ شاہ عالم کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور خود مال و خزانہ لیکر واپس چلا گیا۔ اور مغل بادشاہ پھر ۱۸۵۷ء تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر میں مغلوں کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور سلطنت برطانیہ کا زمانہ شروع ہوا۔

تاریخ

دہلی مختلف زمانہ میں مختلف جگہہ دس بارہ کوس کے اندر اندر بھی آباد رہی لیکن موجودہ دہلی مغل شہنشاہ شاہجہاں کی بسائی ہوئی ہے اور اس کا اصلی نام شاہجہاں آباد ہے۔ مگر دہلی مشہور زمانہ ہو گیا ہے یہ شہر اپنی قدامت اور خوبصورتی کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ہمیشہ سے کمال اور علوم و فنون کا مرکز رہا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ اسی خاک سے پیدا ہوئے اور اپنی نوبت چند روزہ دنیا میں بجاکر عالم کے دلوں پر اپنا سکہ جما کر اسی کی خاک میں مل گئے۔

سلطنت اورنگ زیب

شہنشاہ اورنگ زیب ۱۶۵۸ء میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ شرعی مسلمان تھا۔ اس نے بہت سے مندروں کو تڑوا کر مسجدیں بنوائیں۔ اس کے زمانہ میں مرہٹوں اور چھترپتی شیواجی نے بہت زور پکڑ رکھا تھا۔ شاہ اورنگ زیب اپنے بڑھاپے تک مرہٹوں سے لڑتا رہا۔ اور یہ ۱۷۰۷ء میں مرگیا۔

اس کے بعد بہت سے معمولی بادشاہ گزرے لیکن کوئی اتنی بڑی سلطنت پر شان سے باقاعدہ حکومت نہ کرسکا۔

بادشاہ محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں یعنی ۱۷۳۵ء میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے حملہ کیا جبکہ بڑا کشت وخون ہوا۔ اور وہ بہت سا خزانہ لوٹ کر ایران واپس چلا گیا۔

پانی پت کی لڑائی

۱۷۵۹ء میں جو ہندوستان کی حالت تھی۔ وہ یہ تھی۔

حیدر علی دکن میں حکومت کر رہا تھا۔ اور نواب وزیر اودھ کے شمالی ہندوستان میں حکومت کرتے تھے۔ یہ دونوں بہت بڑے بادشاہ تھے۔ اور دہلی میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ کیونکہ عالمگیر ثانی قتل کیا گیا تھا

مالگذاری جوکہ شہنشاہ شیرشاہ نے قائم کیا تھا، اُس کی پیروی کی۔ اور
بیواؤں کے جل مرنے (ستی ہونے) کی رسم کو روک دیا۔ اور جزیرہ ٹیکسل
اُن لوگوں سے وصول کیا جوکہ اسلام قبول کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اُس
نے اپنی سلطنت کو بہت بڑھایا۔ اور اس کے دوران حکومت میں ہندو
کے لوگوں کو آزادی حاصل تھی۔ اور اس کو بھی عمارات بنوانے کا شوق تھا۔

۱۶۰۵ء میں شہنشاہ اکبر کا لڑکا جہانگیر تخت سلطنت
پر رونق افروز ہوا۔ جوکہ ہندو شہزادی کا لڑکا تھا۔ جہانگیر نے جب کہ
نورجہاں سے شادی کرلی تو حکومت کے انتظامات کرنا چھوڑ دئے۔
یعنی صرف نورجہاں حکومت کرتی رہی۔

شہنشاہ شاہجہاں ۱۶۲۷ء میں بادشاہ ہوا۔ اور حکومت
میں جو کمزوریاں تھیں اُس نے اُن کو رفع کیا۔ اس کے دوران سلطنت
میں رعایا بہت ہی خوشحال رہی۔ اس کو عمارات کے بنوانے کا بہت شوق
تھا۔ اُس نے دہلی میں لال قلعہ اور جامع مسجد بنوائی اور آگرہ میں
تاج محل بنوایا۔ یہ اتفاقاً ۱۶۵۸ء میں بیمار پڑا۔ جب کہ اس کے
چاروں لڑکوں میں بوجہ علالت کے لڑائی ہونا شروع ہوئی۔ اورنگ زیب
اس کا چھوٹا لڑکا اپنی بہن کی مدد سے کامیاب ہوا۔ اور تخت سلطنت
پر بیٹھ گیا۔ اور آگرہ میں اپنے باپ کو قید کر دیا۔ جہاں کہ وہ
۱۶۶۶ء میں مر گیا۔

شہنشاہ ہمایوں کو شکست دی ۔ جو کہ ہندوستان چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ شیر شاہ نے شمالی ہندوستان میں حکومت کی ۔ اور شیر گڑھ یعنی پرانے قلعہ میں عمارات بنوائیں۔ اس نے پھر سے حکومت کے قانون قایم کئے اور مالگذاری کا محکمہ قایم کیا ۔ جو کہ اس قدر اچھا تھا کہ شہنشاہ اکبر نے بھی اس کی پیروی کی ۔۔

اس نے چھ سال تک دانشمندی اور قابلیت سے حکومت کی اور جبکہ کالی نگر پر اس نے چڑھائی کی تھی تو وہاں پر مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد حکومت کی حالت نازک ہو گئی ۔ اور حکومت کے ٹکڑے ہو گئے ۔ پس ایسی حالت میں شہنشاہ ہمایوں کو پھر حکومت کرنے کا موقعہ مل گیا۔

مغلوں کی پھر دوبارہ سلطنت

شیر شاہ سوری کے انتقال کی خبر معلوم ہونے کے بعد شہنشاہ ہمایوں کابل سے روانہ ہوا ۔ اور ہندوستان پہنچ کر اپنی کھوئی ہوئی حکومت کو پھر ۱۵۵۵ء میں حاصل کیا ۔ لیکن وہ زیادہ عرصہ حکومت نہ کر سکا ۔ صرف سال بھر ہی میں یعنی ۱۵۵۶ء میں وہ مر گیا۔ کیونکہ کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر وہ بہت زخمی ہو گیا تھا ۔ اس کا مقبرہ پرانے قلعہ کے آگے ہے ۔ جو دہلی میں دیکھنے کے لائق ہے

شہنشاہ اکبر ۱۵۵۶ء میں بادشاہ ہوا ۔ اس نے محکمہ

سلطنت مُغلیہ

تیمور لنگ کے حملہ کے ۱۰۰ برس بعد .... تیمور لنگ کا پانچواں نائب محمد ظہیرالدین بابر ہندوستان کا بادشاہ ہُوا۔ بابر نے ہندوستان پر پانچ مرتبہ حملہ کیا۔ چار مرتبہ واپس لوٹا اور پانچویں مرتبہ کامیاب ہُوا۔ اور لڑائی میں کامیاب ہونے کے بعد وہ ۱۵۲۶ء میں آگرہ پہنچا۔ اور ہندوستان کا بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ اور تین سال کی حکومت کے بعد اُس کا لڑکا ہمایوں اُنیس ۱۹ برس کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھا اُس کی حکومت میں شیر شاہ اُس کا بہت بڑا دشمن تھا۔ جو کہ بہار میں حکومت کرتا تھا۔ اس لئے ہمایوں کی سلطنت پر حملہ کر دیا اور کافی لڑائی ہونے کے بعد ہمایوں کو اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا۔

جبکہ ہمایوں بھاگ رہا تھا، سندھ کے جنگل میں اُس کا مشہور و معروف لڑکا اکبر ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو امرکوٹ کے قلعہ کے قریب پیدا ہُوا۔ ہمایوں چار سال تک ایران کے بادشاہ کی حفاظت میں رہا۔ اور ۹ سال تک کابل میں رہا۔ اور اس کے بعد اُس کی کھوئی ہُوئی حکومت پھر حاصل ہو گئی۔

سلطنت بادشاہ لودی

شیر شاہ ایک بہت بڑا اور قابل بادشاہ گذرا ہے۔ جیسے

سیّدوں کی حکومت

تغلق خاندان کے بعد سیّدوں کی بادشاہت شروع ہوئی اور ۱۴۱۴ء سے ۱۴۵۱ء تک سیّد خاندان کے چار بادشاہ گذرے۔ لیکن وہ اتنے چھوٹے بادشاہ تھے کہ ان کے زمانے میں نہ کوئی عمارت بنی اور نہ اور کوئی خاص بات ہوئی جو لکھی جائے۔

لودیوں کا خاندان

۱۴۵۱ء میں لودیوں کے خاندان کی بادشاہت شروع ہوئی اور بہلول لودی ۱۴۵۱ء میں بادشاہ ہوا۔ اور دہلی میں رونق شروع ہوئی۔ لودی خاندان کا دوسرا بادشاہ سکندر لودی گذرا۔ جس نے ۱۴۸۸ء سے لیکر ۱۵۱۷ء تک حکومت کی۔

یہ مذہبی آدمی تھا۔ اس کے دورانِ حکومت میں ہندوؤں کو بہت کم آزادی تھی۔ اور یہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے کہ آگرہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔

اس کا خاندان کا تیسرا اور آخری بادشاہ ابراہیم لودی گذرا۔ جس کی کہ بابر سے پانی پت میں لڑائی ہوئی۔ اور ۱۵۲۶ء میں اسی لڑائی میں وہ مارا گیا

قابل حکمران تھا۔ اور خرابی اِس میں یہ تھی کہ لامذہب اور بڑا بے رحم تھا۔ کہتے ہیں کہ اِس کے عہدِ سلطنت میں جبکہ قحط پڑا تو اُس نے حکم دیا کہ وہ سب دہلی چھوڑ کر دیوگری یا دولت آباد چلے جاویں۔ اور اُس نے خود بھی دہلی چھوڑ کر اپنا دار السلطنت تبدیل کیا۔ اور دہلی کو ویران کر دیا۔ اِس سفر میں رعایا کو بہت تکلیفیں اُٹھانی پڑیں اور بہت سے لوگ جان سے مر گئے۔ قحط کی حالت میں یہ بڑا تکلیف دہ سفر تھا۔ اِس کے بعد پھر اُس کے ذہن میں آئی کہ دہلی آباد کروں۔ لہٰذا پھر رعایا کو مصیبت اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اِس کے دوران سلطنت میں رعایا کو بڑی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ اور یہ ۱۳۵۱ء میں مر گیا۔

اِس کا نائب فیروز شاہ تغلق ہُوا۔ اور ۱۳۵۱ء میں تخت پر بیٹھا۔ اور ۱۳۸۸ء تک سلطنت کرتا رہا۔ یہ نہایت اچھا اور رحمدل بادشاہ گذرا۔ اور رعایا اُس کے دورِ حکومت میں بڑے آرام سے رہی اُس نے فیروز آباد کا قلعہ بنوایا۔ اور اپنا ہیڈ کوارٹر فیروز آباد قائم کیا ۲۴ دسمبر ۱۳۹۸ء میں تیمور لنگ نے دہلی پر حملہ کیا۔ اور اِس طرح سے لوٹا کہ اِس کو بالکل برباد کر دیا۔ اُسکی فوج نے خوب لوٹا اور ہزاروں کو قتل کیا۔ اِس مصیبت ناک حالت میں محمد تغلق سیکنڈ دہلی کا بادشاہ جنگل بھاگ گیا۔ تیمور لنگ کے حملہ سے دہلی بالکل تباہ و برباد ہو گئی۔ اور رعایا مفلس اور لاچار ہو گئی۔ ایسی حالت میں تغلق خاندان کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ۱۴۱۴ء تک حکومت کرتے رہے

کا پہلا بادشاہ کہلاتا تھا۔ پانچ سال تک یہ حکومت کرتا رہا اور مغلوں کے حملوں کو روکتا رہا۔ آخر کار اس کو اس کے بھتیجے علاؤالدین خلجی نے قتل کیا جو کہ اس کا داماد بھی تھا۔ اور اس کے بعد خود تخت سلطنت پر حکمران ہو گیا۔ اس نے آلیے دروازہ سری کا قلعہ اور قطب مینار کے قریب ہی ایک دوسرا نامکمل مینار بنوایا۔ ہندوؤں کے اور بہت سے بت خانے اور جینیوں نیز بدھیوں کے مندروں کو توڑ ڈالا۔ جن کو کہ غلام خاندان کے بادشاہوں نے چھوڑ دیا تھا۔

علاؤالدین خلجی کو ۱۳۱۵ء میں زہر دیا گیا۔ اس کے انتقال کے پانچ سال کے اندر تین بادشاہ بہت جلدی جلدی گذرے لیکن ہر ایک قتل کر دیا گیا۔ اور آخری خلجی بادشاہ نصیرالدین گذرا۔ جس نے صرف سال بھر حکومت کی۔

سلطنت تغلق

۱۳۲۰ء ہجری میں غیاث الدین تغلق بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے دارالسلطنت کو تبدیل کیا اور تغلق آباد کا قلعہ بنوایا۔ اور پانچ سال کے بعد اس کے لڑکے نے اس کو قتل کیا۔ یعنی محمد شاہ تغلق نے قتل کیا اور یہ خونی سلطان کہلایا۔ کہتے ہیں کہ اس میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں تھیں۔ یعنی ایک طرف تو بہت طاقتور، ذہین اور

روز بعد اُنکی وفات ہُوئی - ان کا مزار ترکمان دروازہ کے قریب ہے -

سُلطان رضیہ بیگم کے بعد جلدی جلدی دو بادشاہ اور گذرے لیکن دونوں تخت پر سے اُتار دیئے گئے - نصیرالدین محمُود نے ۱۲۴۶ء سے ۱۲۶۵ء تک حکومت کی - جو کہ قناعت کے ساتھ سلطنت کرتا رہا - اور اپنے قابل وزیر اعظم کے اُوپر اس نے حکومت کو سُپرد کردیا تھا - اس کے مرنے پر اُس کا کوئی وارث نہ تھا اس لئے اُس کا وزیر غیاث الدین بلبن آسانی سے بادشاہ بن بیٹھا - اور باقاعدہ حکومت کرتا رہا - جو کہ ایک قابل بادشاہ ثابت ہُوا - جس نے فوج کو کافی بڑھایا اور مُغلوں کے حملوں کو روکتا رہا - اس کا لڑکا مُغل بادشاہ کے حملوں میں مارا گیا - اور اپنے لڑکے کی موت کے غم سے وہ جانبر نہ ہو سکا - اور ۱۲۸۷ء میں انتقال کر گیا -

اس کے بعد دو بادشاہ پھر اور گذرے - جن کی حکومت تین ہی سال میں ختم ہو گئی -

حکومت خلجی
مُسلمانوں کی سلطنت

جلال الدین فیروز سیکنڈ ۱۲۹۰ء میں تخت پر بیٹھا - یہ خلجی خاندان

جبکہ محمد گوری نے شکست دی تو محمد گوری ہندوستان کا خود حکمران ہو گیا اور محمد گوری ہندوستان کا سب سے اچھا اور قابل حکمران گذرا۔ اس کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ اسلئے اس کا سپہ سالار یعنی کمانڈر انچیف قطب الدین دہلی کا بادشاہ ہوا جو کہ غلاموں کے خاندان میں سے تھا۔ اور ترقی کرتے کرتے اتنا بڑا حکمران بن گیا۔

قطب الدین جو کہ بادشاہ ہو گیا تھا ۱۲۰۵ء میں مر گیا۔ اس کے بعد قطب الدین کا داماد شمس الدین التمش بادشاہ ہوا۔ یہ نیا بادشاہ بہت اچھا حکمران گذرا۔ اس کو عمارات بنوانے کا شوق تھا۔ اس نے قطب مینار کو مکمل کیا۔ اور بت خانہ کو توڑ کر مسجد بنوائی۔ جس کے قریب اس کا مقبرہ ہے۔

دوسرا بادشاہ اس کا لڑکا رکن الدین فیروز گذرا۔ اور یہ ۱۲۳۵ء میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ لیکن اسی سال تخت پر سے اتار دیا گیا۔

اس کے بعد اس کی بہن سلطان رضیہ بیگم کا سب کی رائے سے انتخاب ہوا۔ اور ۶۲۴ ہجری مطابق ۱۲۳۵ عیسوی میں تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئی۔ یہ پہلی شہزادی گذری ہے جس نے ہندوستان میں سلطنت کی۔ جو کہ بڑی قابل تھی اور اس نے بڑی شان و شوکت اور نہایت عمدگی سے بادشاہت کی۔ لیکن ۱۳۷ ہجری میں سلطان معز الدین نے انکو بوجہ عداوت پکڑ کر قلعہ میں قید کر لیا۔ جس کے چند

گائیڈ آف دھلی

ہندوؤں کی حکومت

شہر دھلی دریائے جمنا کے کنارے اراولی پہاڑ پر آباد ہے۔ دراصل دھلی کی تواریخ ہندوستان کی تواریخ ہے۔ دھلی جو کہ مہابھارت کے وقت میں اندرپرست کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کی نیو مہاراجہ یدھشٹر نے ڈالی تھی۔ دھلی کا نام ایک مشہور دیلو کے نام پر سنہ ۸۰۰ء میں پڑا۔ ان کے بعد اننگ پال نے اپنے زمانہ سن ۶۶۳، ۸۱۱۱ء میں دھلی کو بسایا اور قنوج کے ساتھ ساتھ دھلی کو راجدھانی بنائی۔

ان کے بعد سنہ ۱۰۵۲ء میں اننگ پال دوئم نے دھلی کو پوری طرح سے راجدھانی بنا کر لال کوٹ کا قلعہ بنایا۔ اور کچھ عرصہ راج کرنے کے بعد گدی پرتھوی راج کو دیکر آپ جنگلوں میں تپسیا کرنے چلے گئے۔

مہاراجہ پرتھوی راج دھلی کے آخری ہندو سمراٹ تھے۔

ہندوؤں کی سلطنت کے بعد مسلمانوں کی سلطنت

ہندوؤں کے آخری بادشاہ پرتھوی راج کو سنہ ۱۱۹۲ء میں

گائیڈ آف دہلی

یعنی

تفریح دہلی

(معہ تصاویر)

دہلی کا مشہور قلعہ و جامع مسجد، قطب مینار نیز دیگر قابل دید شاہی عمارات و باغات کے دلچسپ تاریخی حالات

پبلشر

جین کو 2568 دھرمپورہ دہلی

(گپتا پرنٹنگ ورکس اسپلینیڈ روڈ دہلی)

قیمت